دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی تحقیقی مجلّہ

سہ ماہی شعور و آگہی لاہور

جنوری تا مارچ 2018ء / ربیع الثانی تا جمادی الثانیہ 1439ھ جلد نمبر 10 شمارہ نمبر 1 رجسٹرڈ نمبر 370-S

www.rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

متبادل مواقع کی تلاش کی نبوی حکمتِ عملی

''سماجی شعور و بصیرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ معاشرے کی تشکیلِ نو کے لیے محض موجود مواقع پر ہی انحصار نہ کیا جائے، بلکہ متبادل مواقع بھی تلاش کیے جائیں۔ اسی سبب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہونے والی مزاحمت اور اس کے نتیجے میں ہونے والے جبر و تشدد کے جواب کے لیے محض مکہ کے سماجی ڈھانچے میں موجود مواقع کو ہی استعمال نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے دیگر ممالک کے سماجی ماحول کے سازگار ہونے کا بھی جائزہ لیا۔ چناں چہ آپؐ نے حبشہ کے نظام کو اس حوالے سے موزوں تصور کیا کہ وہاں کا بادشاہ (نجاشی)، سماجی معاملات میں انصاف پیشہ ہے، جب کہ مکہ کے لوگ تجارتی نقطۂ نظر سے بھی حبشہ کو نفع بخش منڈی تصور کرتے تھے اور وہاں کے امن و امان کی صورتِ حال بھی حکومتِ وقت کے قابو میں تھی۔ یوں ہجرتِ حبشہ کے ذریعے مسلمانوں کو ایک بہتر ماحول مہیا ہوا، جس سے مستقبل میں تشکیل پانے والے اسلامی تمدن اور حبشہ کے نظام کے مابین قریبی تعلقات کی اساس بھی مہیا ہوئی۔ چناں چہ حبشہ کے نجاشی اصحمہ نے اسلام قبول کیا اور خیرسگالی کے طور پر اس نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح کا اہتمام کیا اور اپنی طرف سے آپ کا مہر چار سو دینار (ایک سو پچاس تولہ سونا تقریباً) بھی ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی۔ بعدازیں نجاشی کے منصب پر فائز ہونے والے حکمراں کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دعوتِ اسلام کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے اسلام قبول کرلیا۔''

(معاشرے کی تشکیلِ نو اور سماجی بصیرت کی نبویؐ حکمتِ عملی، ص 7)

www.rahimia.org

دینی شعور اور سماجی آگہی کا نقیب علمی، تحقیقی مجلہ

سہ ماہی شعور و آگہی لاہور

جنوری تا مارچ 2018ء / ربیع الثانی تا جمادی الثانیہ 1439ھ | جلد نمبر 10 شمارہ نمبر 1 | رجسٹرڈ نمبر 370-S

بانی حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری قدس سرہٗ السعید

مجلس ادارت

سرپرست
پروفیسر ڈاکٹر سعید الرحمٰن

مدیرِ اعلیٰ
حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

صدر
مفتی عبدالمتین نعمانی

مدیر
مولانا محمد عباس شاد

مجلس مشاورت

☆ مفتی محمد اشرف عاطف سعودی عرب ☆ ڈاکٹر سید لیاقت علی شاہ معصومی سکھر ☆ پروفیسر ڈاکٹر تاج افسر اسلام آباد
☆ مفتی عبدالقدیر چشتیاں ☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد ناصر جھنگ ☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید اختر اسلام آباد
☆ مفتی محمد مختار حسن نوشہرہ ☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد افضل سعودی عرب ☆ پروفیسر قاضی محمد یوسف حسن ابدال
☆ مولانا عبداللہ عابد سندھی شکارپور ☆ پروفیسر ڈاکٹر ابرار محی الدین بہاولپور ☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد جہانگیر لاہور

قیمت فی شمارہ : -/150 روپے | سالانہ زرِتعاون -/600 روپے

شعبۂ مطبوعات

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

Ph: 0092-42-36307714 , 36369089 - Web: www.rahimia.org

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر سہ ماہی مجلّہ ''شعور و آگہی''، رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے شائع کیا۔

www.rahimia.org

فہرست مقالات

اداریہ — حرفِ اوّل — مدیرِ اعلیٰ — 3

مطالعۂ سیرتِ نبویؐ — معاشرے کی تشکیلِ نو اور سماجی بصیرت کی نبویؐ حکمتِ عملی — تحریر ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن☆ — 5

مطالعۂ تاریخ و سیاست — برعظیم میں ولی اللّٰہی سیاسی تحریک؛ آغاز و ارتقا
پہلا دور (1732ء تا 1831ء) تاریخ کی روشنی میں — ترتیب و تحقیق مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری☆ — 17

رپورٹ — ''سوانح حیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' کی تقریبِ رونمائی کی روداد — رپورٹ انیس احمد سجاد ایڈووکیٹ☆ — 87

تأثُّرات — کتاب ''سوانح حیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' پر معاصر رسائل و اخبارات کے تاثرات — 113

منظوم تاثرات — ''مِری آنکھوں میں ہے ہر وقت نقشہ قطبِ عالم کا'' — مرثیہ از حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ☆ — 119

تعارف مقالہ نگار

☆ ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن — پروفیسر موسیٰ پاک شہید چیئر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

☆ مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری — ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور و مسند نشین سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور

☆ انیس احمد سجاد ایڈووکیٹ — ایڈمنسٹریٹر ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

☆ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ — سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند (ہند)

www.rahimia.org

اداریہ

حرفِ اوّل

انسانی معاشروں کی اجتماعی تشکیل اور قومی صورت گری میں سیاست بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ انسان چوں کہ مدنی الطبع اور اجتماعیت پسند ہے، وہ باہمی روابط و تعلقات قائم کرکے جماعتوں کی صورت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ انسانی اجتماعیت اور قومی شناخت' سیاست کے بغیر ممکن نہیں۔ قومی اور بین الاقوامی سیاست کے ذریعے سے اقوام اور معاشروں کی کمزوریاں دور کی جاتی ہیں اور انھیں نقائص سے نکال کر ترقی اور کامیابی کے راستے پر گامزن کیا جاتا ہے۔ اسی لیے دینِ اسلام میں اس کی بہت اہمیت رہی ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے انبیائے بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہوئے اُن کے سیاسی کام کی اہمیت اور نوعیت واضح کی ہے۔

برعظیم پاک و ہند میں انگریز سامراج کے تسلط کے زمانے میں دینی سیاست کے بنیادی تصورات اور کردار کو خلافِ دین قرار دینے کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ برطانوی تسلط کو برقرار رکھنے کے لیے انگریز سامراج نے یہ ضروری سمجھا کہ اس خطے کے بسنے والے لوگ اپنی سیاسی آزادی کے لیے کام نہ کریں۔ چناں چہ اہلِ مذہب سے کہا جاتا رہا ہے کہ سیاست کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حال آں کہ یہ بات طے ہے کہ انبیا علیہم السلام کی جدوجہد کا محور قوموں کو اجتماعی نقائص اور سیاسی کمزوریوں سے نکال کر قومی اور بین الاقوامی ترقی کی منازل تک لے جانا رہا ہے۔ خاص طور پر امام الانبیا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ انھوں نے دینِ اسلام کی بین الاقوامی حکومت اور خلافت قائم کی اور اسی نقطۂ نظر سے ہی دین کے تمام امور کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کیا۔ حضورؐ کی صحابہؓ کو دی جانے والی تعلیم و تربیت کی نوعیت بیان کرتے ہوئے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ: ''أن یکون تعلیمہ الدّین إیّاھم مضموماً إلٰی القیام بالخلافۃ العامّۃ.'' (حجۃ اللہ البالغہ) (نبی اکرمؐ کی صحابہ کرامؓ کو دین کی تعلیم و تربیت میں یہ بات شامل تھی کہ اُس کے ذریعے سے عوامی حکومت قائم کی جائے۔) اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دینی تعلیم و تربیت کا حکومت اور سیاست کے نقطۂ نظر سے اہتمام کرنا اُسوۂ نبویؐ ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ یورپین سامراج کے تسلط سے پہلے تقریباً بارہ سو سال تک مسلمانوں کا کوئی دور ایسا نہیں گزرا، جس میں حکومت و خلافت قائم نہ رہی ہو۔ مسلمانوں نے ہر دور میں دینی تعلیمات کی روشنی میں قومی اور بین الاقوامی سیاست کے تقاضے پورے کیے۔

برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کے زوال کے زمانے میں حضرت مجددالفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عظیم دینی اور سیاسی جدوجہد اسی اُسوۂ نبویؐ کی اتباع کا مظہر ہے۔ مسلمانوں کو زوال سے نکالنے کے لیے ان حضراتؒ کی دینی تعلیم و تربیت کا بڑا گہرا تعلق دینِ اسلام کی سیاست کو غالب کرنے اور اُس کا عملی نظام قائم کرنے کی جدوجہد سے عبارت رہا ہے۔ بدقسمتی یہ رہی کہ عام طور پر ان حضراتؒ کی تعلیمات کو حکومت و سیاست کے دائرے سے الگ کرکے محض روایتی اور رسمی نقطۂ نظر سے پڑھنے کو کافی سمجھ لیا گیا، جب کہ یہ حضراتؒ مکمل طور پر اتباعِ سنت کے تمام پہلوؤں یعنی شریعت، طریقت اور

www.rahimia.org

سیاست کی دعوت لے کر اُٹھے تھے۔ چناں چہ ان حضراتؒ نے اسی حوالے سے اس خطے کے لوگوں کو غلامی سے نکالنے، آزادی اور حریت کے لیے عظیم دینی اور سیاسی تحریک برپا کی، جس کے نتیجے میں برطانوی سامراج سے آزادی حاصل ہوئی۔

ان حضراتؒ کی اس سیاسی جدوجہد اور کوشش کو سمجھنا وقت کی ضرورت اور تقاضا رہا ہے۔ اس حوالے سے سب سے جامع اور بنیادی کام امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے کیا ہے۔ انھوں نے شاہ صاحبؒ کی سیاسی جدوجہد اور اُن کی برپا کی ہوئی تحریک کا تعارف کرانے کے لیے بڑے جامع اور مدلل مقالات لکھے۔ مولانا سندھیؒ جس خانوادۂ علمی سے تعلق رکھتے ہیں، اُس کے سرخیل شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تھے۔ پھر اُن کے جانشین شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ وغیرہ ایسے حضرات ہیں، جن کی پوری زندگی دین کی سیاست کو غالب کرنے اور اس خطے کے انسانوں کو آزادی اور حریت سے ہم کنار کرنے میں گزری ہے۔ ان حضراتؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک اور جدوجہد کو پوری جاں فشانی کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔

اس تناظر میں ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کی اہمیت کے پیشِ نظر اس شمارے کا دوسرا اہم مقالہ ''برعظیم میں ولی اللّٰہی سیاسی تحریک؛ آغاز و ارتقا'' شاملِ اشاعت کیا گیا ہے۔ اس مقالے میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک کے پہلے دور (1732ء تا 1831ء) کا تاریخ کی روشنی میں مطالعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس مقالے میں دینِ اسلام میں سیاست کی اہمیت سے لے کر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک کے اہم نکات واضح کیے گئے ہیں۔ اس تحریک کے پہلے سو سالہ دور میں جن حضراتؒ نے کام کیا ہے، اُن کے سیاسی فکر و عمل کی نشان دہی، اُن کے ذمہ دارانہ سیاسی طرزِ عمل کی وضاحت پورے دلائل کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ چناں چہ اس تحریک کے نمایاں افراد اور اُن کی تحریرات کی روشنی میں بکھرے ہوئے مواد کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ حواشی میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک کے بنیادی حقائق کے اصل مآخذ کے حوالہ جات بھی دے دیے گئے ہیں۔

اس شمارے کا پہلا اہم مقالہ ''معاشرے کی تشکیلِ نو اور سماجی بصیرت کی نبویؐ حکمتِ عملی'' کے عنوان سے ہے، جس میں مقالہ نگار حضرت ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمٰن (ملتان) نے حضور اقدس ﷺ کی سماجی بصیرت پر مبنی نبویؐ حکمتِ عملی کے تناظر میں معاشرے کی تشکیلِ نو کے بنیادی اساسی اصول واضح کیے ہیں۔ اس خطے کی غلامی کے بعد آزادی کے دور میں آج ہمارے معاشرے کی تشکیلِ نو وقت کی ضرورت ہے۔ اس حوالے سے حضور اقدسؐ کی سیرتِ مقدسہ اور آپؐ کے طرزِ فکر و عمل کا صحیح مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ آپؐ کی ذاتِ گرامی سے محض رسمی عقیدت و محبت کا اظہار تو بہت کیا جاتا ہے، لیکن آپؐ کے طرزِ فکر و عمل اور سماجی بصیرت پر مبنی حکمتِ عملی کو سامنے نہیں رکھا جاتا، جس کی وَجہ سے معاشرے کی تشکیلِ نو میں مذہب کے نام پر فرقہ وارانہ رُکاوٹیں پیدا کر دی جاتی ہیں۔ دین کی اصل اور شفاف تعلیمات کو سمجھنا اور اسے قائم کرنے کے لیے نبویؐ حکمتِ عملی پر استقامت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس مقالے سے یہ پہلو خوبی کے ساتھ واضح ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپؐ کے اُسوۂ حسنہ کے اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔

اس شمارے کے آخر میں کتاب ''سوانح حیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' کی تقریبِ رونمائی میں مقررین کی تقاریر اور خطابات پر مبنی ایک رپورٹ شامل ہے۔ جس میں مقررین نے کتاب کے اہم نکات اور اس کی اس دور میں اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے۔ پھر اسی کتاب پر مختلف معاصر رسائل کے تبصرے بھی شامل کیے جا رہے ہیں۔ آخر میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے حوالے سے حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کا ایک منظوم مرثیہ شائع کیا جا رہا ہے۔ (مدیرِ اعلیٰ)

www.rahimia.org

مطالعۂ سیرت نبویؐ

معاشرے کی تشکیلِ نو اور سماجی بصیرت کی نبویؐ حکمت عملی

تحریر: ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمٰن

دینی لغت میں بصیرت، حکمت اور فراست جیسے الفاظ اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہیں کہ دینِ اسلام سطحی، ظاہری اور نمائشی اندازِ فکر نہیں رکھتا، بلکہ وہ اپنی تعلیمات میں روشنی، دوررَسی، گہرائی، وسعتِ فکری اور پائیدار نتائج پر نظر رکھنے کی ہدایت سے مالامال ہے۔ قرآن حکیم میں حکمت کو خیرِ کثیر (بہت زیادہ بھلائی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔(1) حکمت کے مفہوم میں علم وعقل کے ذریعے درست اور سچی بات تک پہنچنا، ہر شئے کو اس کے مناسب موقع ومحل میں رکھنے کی صلاحیت، عقلی رہنمائی اور قلبی بصیرت، برائیوں کی درست نشان دہی کے بعد اس کے علاج کی صحیح تدابیر جیسے امور شامل ہیں۔ ابن قیم الجوزی کہتے ہیں:

''بصیرت، دل کی زمین میں سچی معاملہ فہمی پیدا کرتی ہے۔ یہ ایک نور کا نام ہے، جو اللہ دل میں ڈالتا ہے۔ جس کے ذریعے حق و باطل اور سچے وجھوٹے کے درمیان فرق کیا جا سکے۔''(2)

اس ضمن میں انھوں نے ایک آیت سے بھی استدلال کیا ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ(3) کہ معروف تابعی مفسر مجاہد بن جبیرؒ نے اس کا مفہوم بیان کیا ہے کہ: ''اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو فراست والے ہیں۔''(4)

قرآن حکیم میں صاحبِ اختیار کے لیے جسم اور علم میں صاحبِ ''بسطه'' ہونے کی مطلوبہ صفات کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی کہ جسمانی صلاحیت کے ساتھ ساتھ اس میں کام و مقام کی مناسبت سے ذہانت وفراست اور فہم وتدبر کی استعداد ہو۔(5)

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ، بصیرت وحکمت اور شعور وفراست کی بھرپور عکاسی کرتی ہے اور آپؐ دیگر امورِ حیات کی طرح ان امور میں بھی اسوۂ حسنہ کی لازوال حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن حکیم میں آپؐ کو معلمِ حکمت قرار دیا گیا ہے۔ آپؐ نے اپنے موجود سماج کا گہرا عملی مطالعہ کیا۔ معاشرتی تشکیلِ نو کے لیے دستیاب مواقع سے استفادے کی حکمتِ عملی واضح کی۔ ان مواقع میں توسیع کے طریقے دریافت کیے اور متبادل مواقع تلاش کیے۔ یوں ایک اجتماعی فلاحی معاشرے کی تاسیس کی، جس میں بہت سے قبائل پر مشتمل معاشرے کو پُرامن بقائے باہمی کے ماحول سے روشناس کرایا۔ جہالت زدہ معاشرے کو علم وحکمت سے آراستہ کیا۔ حصولِ رزقِ حلال کو دینی فریضہ قرار دے کر معاشی سرگرمیوں کی اہمیت اُجاگر کی۔ حفظانِ صحت کے لیے جسم، لباس اور ماحول کی پاکیزگی پر مشتمل جامع نظامِ طہارت متعارف کرایا۔ نیز سماجی تشکیل میں دراندازی کرنے والے داخلی عناصر کو اپنی سماجی بصیرت کے ذریعے غیرمؤثر بنایا۔ انسانی صلاحیتوں اور ان کی نفسیات سے آگہی کی بنیاد پر درست مواقع پر درست افراد کے انتخاب میں عملی فراست سے کام لیا۔ معاشرے میں سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ محدود وسائل کے متنوع استعمال

کی حکمتِ عملی سے روشناس کرایا اور انسانی حقوق کے احترام کا شعور انسانی ذہنوں میں راسخ کیا۔

1۔ مرحلہ وار سماجی حکمتِ عملی

رسول اللہ ﷺ آغازِ وحی کے بعد بعثت کے عظیم الشان کام کی اہمیت کے پیشِ نظر دعوتِ دین (جس کے نتیجے میں اجتماعی فلاحی معاشرے کی تشکیل ناگزیر تھی) کے لیے اپنی سماجی بصیرت کو کام میں لائے اور اس حوالے سے اپنے بااعتماد حلقے کو مخاطب کیا، تاکہ اس کو ہم نوا بنا کر اگلا قدم اٹھایا جائے کہ پہلے مرحلے کی صورت گری کے بعد ہی اگلے مرحلے تک رسائی' دنیا کے نظامِ اسباب کا تقاضا قرار پاتا ہے۔ اس کو نظرانداز کر کے کسی بھی عمومی اقدام سے فسادِ معاشرہ کے باعث مقتدر عناصر کو طوفانِ بدتمیزی کے ذریعے تعمیرِ معاشرہ کے مشن کو سبوتاژ کرنے کا سازگار موقع فراہم ہو جاتا ہے۔ اسی بنا پر آپؐ نے تین سال اپنے پیغام کو مؤثر طریقے سے اپنے قریبی حلقے میں منتقل کر کے اس کو اپنا دست و بازو بنایا۔ (6) یوں دستیاب موقع سے آپؐ نے حکیمانہ استفادہ کیا۔ اس سے اس امر کی رہنمائی واضح ہے کہ معاشرے کو فلاحی بنانے کے طریق کار میں سماجی مدارج کی نوعیت کو ملحوظ رکھ کر حکمتِ عملی وضع کرنا ہی درحقیقت سماجی بصیرت کا تقاضا ہوتا ہے۔ جب آپؐ نے اپنے قریبی حلقے میں سے بااعتماد افراد کو مکمل طور پر ہم نوا بنانے کے بعد علانیہ دعوتِ دین کا آغاز کیا تو آپؐ کو مکہ کے غالب نظام کی طرف سے شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کے جواب میں آپؐ نے بلاکسی مداہنت کے صبر و ضبط کی سماجی حکمتِ عملی اختیار کی، جس کا حکم آپؐ کو اس آیتِ مبارکہ میں دیا گیا تھا:

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ۝ (7)

کہ اللہ کے دیے گئے حکم کا برملا اظہار و ابلاغ اس طور کیا جائے کہ اس کے ردِعمل میں ہونے والے اشتعال انگیز اقدامات میں اُلجھنے کے بجائے اعراض اور نظرانداز کرنے کی حکمتِ عملی اختیار کی جائے۔

2۔ سماجی تعلقات سے استفادے کی حکمتِ عملی

رسول اللہ ﷺ نے مخالفین کے جبر و تشدد کے مقابلے کے لیے عدمِ تشدد کی پالیسی اختیار کی اور سماج میں مُسلَّم معاشرتی ذرائع کو استعمال کیا۔ عربوں کے ہاں ''جِوار''، ''وِلاء'' اور ''حِلف'' جیسے معاہدوں کو سماجی پذیرائی حاصل تھی، (8) جن میں منسلک ہونے والے افراد اپنے عقائد و خیالات سے قطع نظر امن کے مستحق ہوتے تھے۔ اس لیے جو نومسلم اپنے قبیلے یا علاقے میں رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی وَجہ سے انتہائی جسمانی و ذہنی دباؤ میں ہوتے، ان کو مذکورہ مُسلَّم طریق ہائے معاشرت میں کسی ایک کے ذریعے اس دباؤ سے حفاظت مہیا کی جاتی تھی، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے قریب ترین صحابہ کرام حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما نے بھی نظامِ وقت کے جبر کے مقابلے کے لیے ان سماجی معاہدوں سے استفادہ کیا۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد بنونوفل کے سردار مطعم بن عدی، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ نے احابیش کے سردار مالک بن الدغنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے عاص بن وائل سہمی کے جِوار سے منسلک ہو کر اپنے سماجی شعور اور معاشرتی حکمتِ عملی سے دشمن کے سماجی دباؤ کا مقابلہ کیا۔ (9)

3۔ دستیاب مواقع میں توسیع کی حکمتِ عملی

رسول اللہ ﷺ نے اپنی سماجی بصیرت کے ذریعے دستیاب مواقع میں توسیع کو بھی پیش نظر رکھا۔ چناں چہ بیرونِ مکہ سے جو حضرات مکہ آ کر اسلام قبول کرتے تو آپؐ ان کو ضروری تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کے بعد مکہ میں ٹھہرانے کے بجائے ان کو اپنے قبائل میں جا کر دینی دعوت کی اشاعت کے لیے مامور کرتے، تاکہ مکہ کے گردو پیش میں ایک ایسا سماجی ماحول تشکیل پا جائے کہ مستقبل میں تشکیل پانے والے فلاحی معاشرے کے لیے مدد معاون ثابت ہو۔ چناں چہ غِفار و اسلم کے قبائل، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہٗ کے ذریعے، اشعری قبیلہ، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہٗ کے ذریعے اور اسی طرح دیگر کئی قبائل اس وقت کی تشکیل پانے والی امتِ مسلمہ کے لیے اثاثہ ثابت ہوئے۔ (10)

4۔ متبادل مواقع کی تلاش کی حکمتِ عملی

سماجی شعور و بصیرت کا تقاضا ہوتا ہے کہ معاشرے کی تشکیلِ نو کے لیے محض موجود مواقع پر ہی انحصار نہ کیا جائے، بلکہ متبادل مواقع بھی تلاش کیے جائیں۔ اسی سبب رسول اللہ ﷺ نے مکہ میں ہونے والی مزاحمت اور اس کے نتیجے میں ہونے والے جبر و تشدد کے جواب کے لیے محض مکہ کے سماجی ڈھانچے میں موجود مواقع کو ہی استعمال نہیں کیا، بلکہ آپؐ نے دیگر ممالک کے سماجی ماحول کے سازگار ہونے کا بھی جائزہ لیا۔ چناں چہ آپؐ نے حبشہ کے نظام کو اس حوالے سے موزوں تصور کیا کہ وہاں کا بادشاہ (نجاشی)، سماجی معاملات میں انصاف پیشہ ہے، جب کہ مکہ کے لوگ تجارتی نقطۂ نظر سے بھی حبشہ کو نفع بخش منڈی تصور کرتے تھے اور وہاں کے امن و امان کی صورتِ حال بھی حکومتِ وقت کے قابو میں تھی۔ یوں ہجرتِ حبشہ کے ذریعے مسلمانوں کو ایک بہتر ماحول مہیا ہوا، جس سے مستقبل میں تشکیل پانے والے اسلامی تمدن اور حبشہ کے نظام کے مابین قریبی تعلقات کی اساس بھی مہیا ہوئی۔ چناں چہ حبشہ کے نجاشی اصحمہ نے اسلام قبول کیا اور خیر سگالی کے طور پر اس نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے عقدِ نکاح کا اہتمام کیا اور اپنی طرف سے آپ کا مہر چار سو دینار (ایک سو پچاس تولہ سونا تقریباً) بھی ادا کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی وفات کے بعد مدینہ منورہ میں غائبانہ نمازِ جنازہ ادا کی۔ بعد ازیں نجاشی کے منصب پر فائز ہونے والے حکمراں کے پاس رسول اللہ ﷺ کا دعوتِ اسلام کا نامہ مبارک پہنچا تو اس نے اسلام قبول کر لیا۔ (11)

رسول اللہ ﷺ نے محض مذکورہ سماجی حکمتِ عملی پر انحصار نہیں کیا، بلکہ آپؐ کی دوررس بصیرت نے موسمِ حج کو موزوں وقت تصور کیا، جس میں بیرونِ مکہ سے مختلف قبائل اور علاقہ جات کے لوگ حج کی عبادت کی انجام دہی کے لیے آتے تھے۔ آپؐ نے نبوت کے گیارہویں سال سے لے کر تیرہویں سال تک ہر سال اس کثیر القبائلی سماجی ماحول سے براہِ راست رابطہ پیدا کیا اور نہایت عمدہ سماجی بصیرت کو کام میں لاتے ہوئے سن ۱۲ نبوی میں یثرب سے آنے والوں سے فلاحی معاشرے کے بنیادی خط و خال استوار کرنے کا معاہدہ کیا جو تاریخ میں ''بیعتِ عقبہ اولیٰ'' کہلاتا ہے۔ اس معاہدے کا مقصد ایک پاکیزہ فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے نظریاتی و سماجی تقاضوں کی تکمیل تھی۔ جن کی تفصیل یوں ہے کہ:

www.rahimia.org

(۱) ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے۔
(۲) ہم چوری نہیں کریں گے۔
(۳) ہم زنا کا ارتکاب نہیں کریں گے۔
(۴) ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔
(۵) ہم کسی پر کوئی بہتان نہیں باندھیں گے۔
(۶) ہم کسی امرِ معروف میں آپکی نافرمانی نہیں کریں گے۔

اسی معاہدے کے بعد حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہٗ کو یثرب میں فلاحی معاشرے کی تنظیم کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنا نمائندہ مقرر کیا جو نو مسلموں کے لیے مُعلّم بھی تھے اور دیگر افراد کے لیے مبلغ بھی۔ (12)

سن ۱۳ نبوی میں عقبہ اولیٰ کے اصحابِ معاہدہ اور حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہٗ کی کاوشوں سے ستر افراد پر مشتمل ایک بڑا وفد موسمِ حج میں رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست ملاقات کے لیے آیا، جو اس امر کی علامت تھا کہ اب یثرب کے حالات، رسالتِ نبویؐ کے اگلے دور کے لیے سازگار ہو چکے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر اس وفد کی سماجی ساخت کے مطابق ان میں بارہ نمائندوں کا تقرر کیا، جو اپنے حلقے کے نہ صرف ذمہ دار ہوں گے، بلکہ رسول اللہ ﷺ سے ہونے والے معاہدے پر عمل درآمد کے بھی ذمہ دار ہوں گے۔ (13)

اس موقع پر ہونے والا معاہدہ ''بیعتِ عقبہ ثانیہ'' کہلاتا ہے۔ اس معاہدے سے وجود پذیر ہونے والے اجتماعی فلاحی معاشرے کے نمایاں خط و خال سامنے آتے ہیں:

(۱) سیاسی نظم وضبط: ہر صورت میں نظم وضبط کا لحاظ رکھا جائے گا خواہ طبیعت آمادہ ہو یا کسل مند اور سست ہو۔
(السّمعُ والطّاعةُ فی النّشاطِ والکسل)

(۲) معاشی وسائل میں عمومی شرکت: معاشی تنگ دستی ہو یا خوش حالی، بہر صورت وسائل کو مفادِ عامہ میں استعمال کیا جائے گا۔
(النّفقة فی العُسرِ والیُسر)

(۳) بغیر کسی ہچکچاہٹ کے درست اظہار رائے کا اہتمام۔ **(أن نّقولَ بالحقِّ و لا نخاف فی اللّٰہ لومةَ لائم)**

(۴) سماج میں بھلائی کا فروغ اور بدی کا انسداد۔ **(الأمرُ بالمعروفِ و النّھیُ عن المنکر)**

(۵) دفاع میں ممکنہ حد تک مستعدی کہ جب رسول اللہ ﷺ یثرب آئیں گے تو آپؐ کی بھرپور تائید اور اس طرح حفاظت کی جائے گی، جیسے اہل یثرب اپنی جانوں، اپنے شریک حیات اور اپنی اولاد کی حفاظت کرتے ہیں۔
(أن تنصرونی إذا قدِمتُ علیکم یثربَ ... الخ) (14)

گویا یہ معاہدہ؛ یثرب میں تشکیل پذیر معاشرے کے فلاحی اور ارتقائی پہلوؤں کی نشان دہی کرتا ہے، جس میں سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دفاعی جیسے اہم شعبہ ہائے زندگی شامل ہیں۔

5۔ سماجی نظم وضبط کی حکمتِ عملی

رسول اللہ ﷺ کے پیشِ نظر فلاحی معاشرے کی اجتماعی اور سماجی قدریں تھیں، کیوں کہ انسانی سماج کے عناصر کا باہمی تعلق اگر صحت مند خطوط پر استوار ہو تو وہ اپنی ترقی کی مادی بنیادوں کو بھی متوازن انداز میں بہتر طور پر آگے بڑھاتا ہے اور ان کو انسانیت کے حق میں استعمال کرتا ہے۔ چناں چہ فلاحی معاشرے کی اٹھان باہمی بھائی چارہ کے اصول پر رکھی گئی۔ یہ اصول جہاں اپنی ایک نظریاتی اساس رکھتا ہے، وہاں اس کی سماجی پہچان بھی ہے۔ اس لیے مکی معاشرہ ہو یا مدنی سماج، دونوں میں ''مواخات'' کو ایک رہنما سماجی اصول کے طور پر اختیار کیا گیا۔ مکہ مکرمہ میں جہاں خاندانوں کے سماجی پس منظر کو ملحوظ رکھ کر مواخات کے اصول کی تشکیل کی گئی، جیسے حضرات شیخین ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات، حضرت عثمان غنی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات وغیرہ۔ اسی طرح سماج کے کمزور طبقات سے تعلق رکھنے والوں کو معاشرے کے سربرآوردہ افراد کے ساتھ مواخات میں منسلک کر کے ایک نئے سماج کے خط و خال کی نقاب کشائی کی گئی مثلاً حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہما نیز حضرت عبیدہ بن حارث ہاشمی اور حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہما کے مابین مواخات نے اس دور کی طبقاتی سوچ کو سخت زک پہنچائی، جو ہمیشہ فلاحی معاشرے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تصور ہوتی ہے۔

بعد ازیں جب رسول اللہ ﷺ مدینہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہاں مکی و مدنی صحابہؓ کے درمیان مواخات کے سماجی معاہدے سے یثرب کے تمدن کو ارتقا بخشا، جس نے فلاحی معاشرے کو وجود بخشا اور یوں تجارتی و زرعی پس منظر رکھنے والے افراد نے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک خود انحصار معیشت اور مضبوط سماج کی بنیاد رکھی جس میں دونوں فریقوں نے ایک دوسرے سے بڑھ کر اپنا کردار ادا کیا۔ (15)

6۔ بامقصد تبادلۂ خیالات کی حکمتِ عملی

کسی بھی اجتماعی فلاحی معاشرے کی سماجی حکمت و بصیرت' اظہارِ رائے کی آزادی اور دوسرے کی رائے کے احترام سے پروان چڑھتی ہے۔ کیوں کہ اپنی رائے کے اظہار کے ساتھ ساتھ دوسرے کی رائے کی معقولیت کے سامنے اپنی ذاتی صوابدید سے دست برداری کے جذبے کے بغیر معاشرہ ترقی نہیں کرتا۔ یہی سبب ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحیٔ الٰہی کے ماسوا دیگر تمام امور میں بامعنی مشاورت کو سماجی ارتقا کا لازمی اصول بنا دیا اور اس میں سماج کے تمام حلقوں کو بالاہتمام شریک کیا۔

غزوۂ بدر کے موقع پر جب ابوسفیان کا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی دسترس سے بچ نکلا اور اس کے بجائے قریش کے مسلح لشکر کی تیاری کی اطلاعات آئیں تو رسول اللہ ﷺ نے وسیع تر مشاورت کا اہتمام کیا۔ باوجود یہ کہ بیعتِ عقبہ ثانیہ کے تحت انصارِ مدینہ آپؐ کی معاونت و نصرت اور حمایت و مدافعت کے لیے کمر بستہ تھے، لیکن جب تک حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے نئی درپیش صورتِ حال میں انصار کی طرف سے دوٹوک حمایت کا اعلان نہیں کیا، آپؐ نے جنگِ بدر کی حکمتِ عملی مرتب نہیں کی۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ رائے تو ریکارڈ پر ہے کہ مدینہ منورہ کے معاشرے میں آپؐ سے بڑھ کر مشاورت کے عمل کو کسی نے اختیار نہیں کیا اور اس مشاورت میں کتنی بار ایسے مواقع آئے کہ آپؐ نے اپنی رائے پر اپنے ساتھیوں کی رائے کو ترجیح دے کر

ان کی فکری و تجزیاتی صلاحیتوں کو جلا بخشی اور ان میں اجتماعی سوچ کو پروان چڑھایا۔ (16)

7۔ منفی عناصر کو غیر مؤثر بنانے کی حکمتِ عملی

کسی بھی صالح معاشرے کی بقا کے لیے درپیش سب سے بڑا چیلنج اس کے داخلی استحکام کو برقرار رکھنا ہوتا ہے۔ فلاحی معاشرے کا اس کے بغیر تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں موجود منفی سوچ رکھنے والوں کو مؤثر سماجی حکمتِ عملی کے ذریعے غیر مؤثر کر کے ان کی سماجی ساکھ کو ختم کر دیا جائے، تا کہ معاشرے کا فلاح کی جانب ارتقائی سفر جاری رہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ میں منافقین کے گروہ کے بارے میں نہایت اعلیٰ درجے کی سماجی بصیرت کام میں لائے اور عسکری طاقت استعمال کیے بغیر ان کو معاشرے میں ناکام بنا دیا۔

سن ۵ ہجری میں غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر جب ایک انصاری اور مہاجر صحابی کے مابین مُرَیسیع کے چشمے پر تنازع ہوا اور قریب تھا کہ یہ تنازعہ گروہی جنگ میں تبدیل ہو جائے، لیکن چند سمجھ دار افراد نے درمیان میں پڑ کر اس تنازعہ کو رفع دفع کرایا۔ مگر جب عبداللہ بن اُبَیّ کو خبر ہوئی تو اس نے شدید ردِعمل کا اظہار کیا اور قریبی لوگوں کی موجودگی میں مہاجرین صحابہؓ کے بارے میں بدزبانی کی اور یہ قسم کھائی کہ جب ہم مدینہ واپس ہوں گے تو وہاں کے معزز افراد (یعنی اس کا گروہ) ذلیل لوگوں (مہاجرین) کو نکال باہر کریں گے۔ اور اتفاق سے یہ بات حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہٗ نے سن لی اور رسول اللہ ﷺ کے علم میں لائے۔ (17)

جب اس موقع پر موجود حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ ان ناپاک ارادوں اور فساد انگیز عزائم کے سبب آپ عباد بن بشر رضی اللہ عنہٗ کو حکم دیں کہ وہ جا کر اس شخص کی گردن اڑا دیں تو آپؐ نے اس کے سماجی طور پر منفی نتائج کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا:

> ''اے عمر! کیا تم پسند کرو گے کہ لوگوں میں یہ چرچا ہونے لگے کہ محمد (ﷺ) اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتے ہیں؟
> نہیں! (میں ایسا نہیں کروں گا)''

پھر آپؐ نے اس موقع پر لشکر کے کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ گو ایسے وقت میں آپؐ عموماً سفر نہیں کیا کرتے تھے اور یہ سفر مسلسل شب و روز ہوا، حتیٰ کہ اگلے دن جا کر آپؐ نے پڑاؤ کیا۔ جہاں پہنچتے ہی لوگ سفر کی تکان کے سبب نیند کی آغوش میں چلے گئے۔ آپؐ کی اس حکمتِ عملی کا مقصد یہ تھا کہ عبداللہ بن اُبی کی گفتگو موضوع بحث نہ بنے۔ اسی دوران سورتِ منافقون کا نزول ہوا، جس سے حضرت زید بن ارقمؓ کی اطلاع کی تصدیق بھی ہو گئی۔

مدینہ پہنچ کر عبداللہ بن اُبَیّ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہٗ، جو ایک مخلص صحابی تھے، آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ میرے باپ کو سزائے موت دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو یہ موقع انھیں دیں۔ کسی اور کو حکم دینے کی صورت میں اندیشہ ہے کہ کہیں غیرت میں آ کر اپنے باپ کے مسلمان قاتل کو قتل کرنے کا جرم کر کے جہنم کا مستحق نہ بن جاؤں۔ آپؐ نے فرمایا:

www.rahimia.org

''نہیں! ہم ایسا نہیں کریں گے، بلکہ وہ جب تک ہمارے درمیان ہے، ہم اس کے ساتھ نرمی برتیں گے اور اچھا سلوک کریں گے۔''

آپؐ کی اس سماجی بصیرت پر مبنی حکمتِ عملی نے عبداللہ بن اُبیّ کو معاشرتی طور پر تنہا کر کے رکھ دیا اور وہ اپنی سماجی ساکھ کھو بیٹھا۔ یوں آپؐ نے معاشرے کو خانہ جنگی سے محفوظ رکھا۔ اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ سے فرمایا:

''اے عمر! تمھارا کیا خیال ہے؟ اگر میں اس دن اسے قتل کرنے کی اجازت دے دیتا، جس دن تم نے مشورہ دیا تھا تو اس کے حمایتی طوفان کھڑا کر دیتے، لیکن اگر آج میں اس کے قبیلے کو بھی اسے قتل کرنے کا حکم دوں تو وہ فوراً اس کی تعمیل کریں گے۔''

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ نے کہا کہ:

''بہ خدا مجھ پر واضح ہو گیا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ میری رائے سے زیادہ بابرکت (مؤثر اور دُوررَس) تھا۔''(18)

8۔ مردم شناسی پر مبنی حکمتِ عملی

سماجی بصیرت و آگہی کا ایک اہم مظہر، معاشرے میں مردم شناسی یعنی افراد کی صلاحیتوں سے درست جانکاری رکھنا ہوتا ہے، تاکہ اجتماعی فلاحی معاشرے کے قیام اور استحکام کے لیے درست موقع پر ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ یہی وَجہ ہے کہ مکہ مکرمہ کے مشکل اور نامساعد حالات میں رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ عمر بن خطاب اور ابوجہل میں سے جو اُسے محبوب ہو اسلام کو تقویت عطا کرے۔ (19) جس کے نتیجے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کے عزائم میں تازگی کی لہر دوڑ گئی اور ان کی سماجی تنظیم کو تقویت حاصل ہوئی۔ اسی طرح آپؐ نے سفرِ ہجرت میں اپنے ہمراہی کے طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا انتخاب کیا تو مکہ میں لوگوں سے امانت کے معاملات طے کرنے کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ذمہ داری سونپی۔ (20)

سن ۶ ہجری میں قریش سے گفت وشنید کے لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو اپنے نمائندہ کے طور پر حدیبیہ سے مکہ روانہ کیا کہ اس وقت مکہ میں ابوسفیان کی حکومت تھی کہ ان دونوں کا تعلق بنواُمیہ سے تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ چاہتے تھے کہ مکہ میں خون خرابہ نہ ہو۔ چناں چہ مَرُّالظّھران (مکہ کے قریب ایک مقام) میں آپؐ نے مع لشکر پڑاوٗ ڈالا اور وہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہٗ کے کہنے پر ابوسفیان نے اسلام قبول کیا تو حضرت عباسؓ نے عرض کیا کہ ابوسفیان ایسے آدمی ہیں جو فخر پسند کرتے ہیں۔ ان کے لیے باعثِ فخر چیز کا اعلان کر دیں۔ تو آپؐ نے ان کے سماجی و سیاسی اثر ورسوخ کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمایا:

''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کے لیے امان ہے۔ جو اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے اس کے لیے امان ہے۔ اور جو مسجد میں چلا جائے، اس کے لیے امان ہے۔''

چناں چہ ابوسفیان نے رسول اللہؐ کے مکہ میں داخل ہونے سے قبل وہاں پہنچ کر مذکورہ امان کا اعلان کر دیا، جس کے نتیجے میں

مکہ شدید مزاحمت کے بغیر فتح ہو گیا اور بڑے خون خرابے سے محفوظ ہو گیا۔ بعد ازیں مختلف مواقع پر آپؐ نے نومسلموں کی سماجی ساکھ کے مطابق ان کو دل کھول کر عطیات بھی دیے اور تالیفِ قلوب کا بھرپور اہتمام کر کے ان کو مسلم سماج میں ضم کر دیا۔ (21)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد محرم سن ۷ ہجری میں مختلف حکمرانوں کی طرف خطوط ارسال کرنے کے لیے اُن سُفرا کا انتخاب کیا جو اِن علاقوں کی زبانوں سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ ان میں حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ (برائے ہرقل روم)، حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ (برائے کسریٰ فارس)، حضرت عمرو بن اُمیہ ضمریؓ (برائے نجاشیؐ حبشہ) اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ (برائے مقوقس مصر) رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ (22)

9۔ معاشرے کی نفسیات سے آگہی

معاشرے کی تشکیلِ نو کے لیے محض درست اقدامات کافی نہیں ہوتے، بلکہ درست موقع کا انتخاب بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر اس کا لحاظ نہ رکھا جائے تو اس سے بسا اوقات مطلوبہ نتائج برآمد نہیں ہوتے، بلکہ دیگر منفیتیں جنم لیتی ہیں۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد غالب حیثیت میں ہونے کے باوجود اپنی رائے کے مطابق بیت اللہ کی از سرِ نو تعمیر بنیادِ ابراہیمی پر نہیں کی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

> ''تمھاری قوم کے لوگوں کے ابھی کچھ وقت پہلے تک جاہلیت کا شکار رہنے کے سبب مجھے دیواروں (حطیم) کے بیت اللہ میں داخل کرنے اور اس کے دروازے کو زمین کی سطح پر لانے میں یہ اندیشہ ہے کہ ان کے دل اسلام سے پلٹ جائیں گے۔'' (23)

آپؐ کا یہ عمل اس امر کی رہنمائی کرتا ہے کہ معاشرے کی فلاح میں درست وقت میں درست فیصلے کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ اور یہی سماجی بصیرت اور معاشرتی حکمت کا تقاضا کہلاتا ہے۔ اور اگر اس کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اس سے فتنہ اور معاشرتی اضطراب جنم لینے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

عہدِ نبویؐ میں ایک موقع پر ایک شخص نمازِ عشا میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہٗ کی طول قراءت کے سبب نماز باجماعت سے باہر نکل آیا اور اس نے اگلے دن جا کر رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ ہم دن بھر کاشت کاری کرنے والے لوگ ہیں اور رات معاذ نے آ کر ہمیں نماز پڑھائی تو سورت البقرہ (قرآن حکیم کی طویل ترین سورت) کی تلاوت شروع کر دی تو میں نے اپنی نماز مختصر طور پر ادا کر لی تو انھوں نے مجھے منافق تصور کیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو قابل ملامت نہیں سمجھا، بلکہ حضرت معاذؓ کو تین بار یہ کہہ کر تنبیہ کی کہ:

> ''اے معاذ! کیا تم فتنہ پرور ہو؟ سورت الشّمس اور سورت الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھا کرو۔'' (24)

نیز آپؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

> ''جب کوئی شخص تم میں سے نماز کی امامت کرائے تو اپنی نماز کو ہلکی رکھے کہ لوگوں میں بزرگ، کمزور، مریض بھی ہوتے ہیں۔'' (25)

درحقیقت انسانی سماج کی نفسیات سے واقفیت، معاشرتی رجحانات پر نظر اور الأهمّ فالأهمّ (زیادہ اہمیت اور نسبتاً کم اہمیت کے حامل امور) کا درست اِدراک سماجی بصیرت کے وہ بنیادی عناصر ہیں جو رسول اللہ ﷺ فلاحی معاشرے کے قیام کے لیے بروئے کار لائے۔

10۔ محدود وسائل کے تنوع اور مؤثر استعمال کی حکمتِ عملی

اجتماعی فلاح پر مبنی معاشرے کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ دستیاب محدود وسائل کو بہتر اور متنوع استعمال کے لیے سماجی بصیرت اور معاشی حکمتِ عملی کو بروئے کار لایا جائے۔

عہدِ نبوی ؐ میں ایک انصاری صحابیؓ نے اپنی معاشی ضرورت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اپنا سوال پیش کیا تو آپ ؐ نے اس کی وقتی ضرورت پوری کرنے کے بجائے یہ دریافت کیا کہ اس کے گھر میں کوئی اثاثہ ہے؟ تو اس نے اپنی انتہائی ضرورت کی دو بنیادی چیزوں کا ذکر کیا کہ ایک بچھونا ہے جس کا کچھ حصہ بچھاتے ہیں اور کچھ حصہ اوڑھتے ہیں۔ اور ایک پیالہ ہے جس سے پانی پیتے ہیں۔ گویا اس کا اپنی معاشی ضرورت کے لیے تقاضا مکمل طور پر جواز رکھتا تھا، مگر رسول اللہ ﷺ نے دونوں چیزیں منگوا کر ان کی مجلس میں نیلامی کرائی تو ایک صاحب نے ایک درہم میں دونوں کی خریداری کی پیش کش کی تو آپ ؐ نے حاضرینِ مجلس کو کئی بار متوجہ کیا کہ کوئی شخص اس سے زائد رقم دینے کے لیے تیار ہو۔ تو ایک اور شخص ان اشیا کو دو درہم میں لینے کے لیے تیار ہو گیا۔ تو آپ ؐ نے اس سے دو درہم لے کر دونوں اشیا اس کے حوالے کر دیں اور یہ درہم اس انصاری صحابیؓ کے حوالے کیے اور ان کے استعمال کی منصوبہ بندی بھی بتائی کہ ایک درہم سے گھر کے کھانے پینے کا سامان لے لو اور دوسرے درہم سے ایک کلہاڑی خرید کر میرے پاس لاؤ۔ چناں چہ اس نے ایسا ہی کیا۔ آپ ؐ نے اپنے ہاتھ سے اس میں لکڑی کا ایک دستہ لگایا اور فرمایا: ''جاؤ! اس سے لکڑی کاٹو اور فروخت کرو۔ پندرہ دنوں تک میرے سامنے نہ آنا'' چناں چہ وہ شخص چلا گیا اور لکڑی کاٹ کر فروخت کرنے کا کام کرتا رہا۔ پھر جب آپ ؐ کے پاس آیا تو اس وقت تک وہ دس درہم کما چکا تھا۔ ان میں سے کچھ کے کپڑے خریدے اور کچھ سے کھانا۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

> ''یہ اس سے اچھا ہے کہ قیامت کے دن تیرے چہرے پر داغ نظر آئیں۔ مانگنا صرف تین افراد کے لیے جائز ہے، جو شدید افلاس میں ہو یا ناقابل برداشت قرض کے بوجھ تلے ہو یا جس کے ذمہ دیت (خون بہا) ہو اور وہ ادائیگی کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔''(26)

رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ رہنمائی ایسی سماجی بصیرت کی نشان دہی کرتی ہے کہ معاشرہ اپنے موجودہ وسائل کو مربوط نظام کے تحت استعمال کر کے خود انحصاری کی منزل پا سکتا ہے۔

11۔ وسعتِ نظری اور انسان دوست حکمتِ عملی

معاشرے کی تشکیلِ نو کے لیے وسعتِ نظری کا ہونا از بس ضروری ہے، جس کے بغیر سماجی بصیرت کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اسی صورت میں معاشرے کے تمام افراد کے انسانی حقوق کو تحفظ حاصل ہوتا ہے، جس میں کسی قسم کی تفریق نہ برتی جائے۔ مدینہ

www.rahnuma.org

منورہ کے معاشرے میں یہودی سرداروں کی مسلسل بدعہدی کے باوجود رسول اللہ ﷺ نے اپنے ماننے والوں میں یہ بصیرت منتقل کی کہ وہ مذہبی اختلاف کو کسی صورت انسانی احترام میں حائل نہ ہونے دیں۔

صحیح روایت ہے کہ حضرت قیس بن سعد اور حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہما قادسیہ میں تھے تو ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو یہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھیں کہا گیا کہ یہ اس زمین کا باشندہ ہے یعنی مجوسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے تو ان دونوں صحابہ کرامؓ نے بتایا کہ ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس سے جنازہ گزرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے اور جب آپ کو بتایا گیا کہ وہ یہودی کا جنازہ ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ: ''کیا وہ انسان نہیں ہے؟''[27] گویا آپؐ نے انسانی احترام کی اساس اور وحدتِ انسانیت کی معاشرتی اہمیت واضح کر کے اس کے سماجی رہنما اصول ہونے کی نشان دہی کی۔

بلاتفریق مذہب و نسل انسانی حقوق کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر یہ امر بھی معاہدے کا حصہ بنا کہ جزیرۃ العرب کے دیگر قبائل میں سے جو قبیلہ بھی صلح کے فریقین میں سے کسی کا حلیف بنے گا تو وہ بھی صلح کی تمام دفعات کا پابند ہوگا۔ چناں چہ بنوخزاعہ، مسلمانوں کے اور بنوبکر، قریش کے حلیف کے طور پر اس معاہدے کا حصہ بن گئے۔ قبل ازیں یہ دونوں غیر مسلم قبائل ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریباں تھے۔ سن ۸ ہجری میں بنوبکر کے بنونفاثہ قبیلے کے افراد نے بنوخزاعہ پر شب خون مار کر بیس افراد ہلاک کر دیے تو بنوخزاعہ کے چالیس شہ سوار عمرو بن سالم کی قیادت میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حالات سے آگاہ کیا تو آپؐ اپنی ردا مبارک سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ:

> ''اگر میں بنوکعب پر ہونے والے ظلم کے خلاف اس طرح مدد نہ کروں جس طرح اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا دفاع کرتا ہوں تو میں اللہ کی تائید و نصرت سے محروم رہوں۔''

نیز آسمان پر موجود بادل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ: ''بنوکعب کی ضرور مدد کی جائے گی۔''

پھر آپؐ نے قریش کو اس معاملے کی سنگینی کی طرف متوجہ کیا اور اپنے ایلچی کے ذریعے قریش کے سامنے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو قبول کرنے کا الٹی میٹم دیا کہ خزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کی جائے یا بنونفاثہ کے حلیف رہنے سے علاحدہ ہوجائیں یا معاہدۂ حدیبیہ کی تنسیخ کا اعلان کر دیں تو قریش کی طرف سے قرط بن عمرو نے پہلی دو باتوں کو قبول کرنے کے بجائے معاہدے کی تنسیخ پر رضامندی ظاہر کر دی۔[28] جس کے نتیجے میں فتح مکہ جیسا عظیم الشان واقعہ وقوع پذیر ہوا۔ گویا بلاتفریق مذہب و نسل مظلوم انسانیت کے حق میں رسول اللہ ﷺ کے اقدام نے ہی فتح مبین کی راہ ہموار کی اور تاریخ میں یہ بات امر ہو گئی کہ مسلمانوں کی طرف سے مظلوم غیر مسلموں کی دادرسی نے جزیرۃ العرب کی تقدیر بدل کر رکھ دی۔

الغرض! انسانی معاشرے کی تشکیل و تعمیر میں سماجی بصیرت اور معاشرتی حکمت کو رہنما اصول کے طور پر ملحوظ رکھنے سے ہی اس کو حقیقی فلاحی معاشرے میں تبدیل کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ اسی اندازِ بصیرت کے سبب رسول اللہ ﷺ کو جس ملتِ حنیفیہ پر مبعوث کیا گیا، اس کو ''**سَمحہ**'' یعنی سہل اور آسان ہونے سے تعبیر کیا گیا، جس کے سبب **غُلُوّ فی الدّین** (دین میں انتہا پسندی) ممنوع اور مسترد قرار پایا۔[29] کیوں کہ معاشرتی صلاح و فلاح کے نظام کے قیام میں سماجی بصیرت کو ملحوظ نہ رکھنے سے غلو اور انتہا پسندی کے رجحانات کو تقویت ملتی ہے۔ چناں چہ ماضی میں جن اہلِ مذاہب نے سماجی بصیرت سے انحراف کیا تو ان کے

www.rahimia.org

مذاہب انتہاپسند، جمود وتنگ نظری اور سماجی پس ماندگی کے نمائندہ بن کر رہ گئے۔

آج بھی بعض حلقوں میں تصلُّب فی الدّین (دین میں پختگی) کو سماجی بصیرت کے منافی اور متضاد تصور کیا جاتا ہے۔اس کے سبب انسانی معاشروں میں تنگ نظری، انتہاپسندی، فکری جمود اور گروہی علاحدگی پسندی کو دین اسلام سے منسوب کر کے اس کو مطعون و مجروح کرنے کی روِش؛ غالب حلقوں کا مہلک ہتھیار بن چکا ہے، جس کے ذریعے مسلم آبادیوں پر آئے دن عرصۂ حیات تنگ کیا جا رہا ہے۔ ایسے میں اسلامی تعلیمات اور نبویؐ ہدایات اس بات کا بھرپور تقاضا کرتی ہیں کہ مسلم معاشرے کے باصلاحیت افراد کو علم وشعور اور حکمت وبصیرت سے مکمل نظم وضبط کے ساتھ آراستہ کیا جائے، تاکہ وہ عوام الناس کے جوش وجذبہ اور حمیت وجرأت کی درست خطوط میں رہنمائی کرسکیں اور آج کی سنجیدہ تحدیات (challenges) کا درست انداز میں تجزیہ کر کے متوازن راہِ عمل کے نشانِ راہ ثابت ہوسکیں۔

----

www.rahimia.org

حوالہ جات

1۔ سورۃ البقرہ:۲۲۹

2۔ محمد بن ابی بکر ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ)، مدارج السّالکین بین منازل إیّاک نعبد و إیّاک نستعین، (تحقیق: محمد معتصم باللہ بغدادی)، دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۱۶ھ، ج۱،ص ۱۴۸۔

3۔ سورۃ الحجر: ۷۵

4۔ مجاہد بن جبیر التابعی (۱۰۴ھ)، تفسیر القرآن (تحقیق: دکتور محمد عبدالسلام)، دارالفکر الاسلامی الحدیثۃ، مصر ۱۹۸۹م، ج۱،ص ۴۱۷، علاء الدین علی بن محمد الخازن (۷۴۱ھ)، لباب التاویل فی معانی التنزیل (تحقیق: محمد علی شاہین)، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۴۱۵ھ

5۔ ملاحظہ ہو: محمد تقی امینی (۱۹۹۱ء)، قیادت کی خصوصیات، شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن، ملتان، ص ۸

6۔ ڈاکٹر محمد سعید رمضان البوطی (۲۰۱۳ء)، فقه السیرة النبویه (ترجمہ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی)، نشریات لاہور، ۲۰۱۰ء، ص ۱۳۱

7۔ سورۃ الحجر: ۹۴

8۔ دو مختلف قبائل باہمی معاہدہ کے تحت جب یکجا سماجی زندگی اختیار کرتے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک قبیلہ کی مانند ہو جاتے تو اس کو ''حِلف'' کہا جاتا تھا، اور جب کوئی فرد کسی قبیلہ کی پناہ میں آجاتا اور قبیلہ اس کی پشت پر کھڑا ہو جاتا، اس کو ''جِوار'' سے تعبیر کیا جاتا تھا اور اگر وہ شخص مستقل اس قبیلہ کا حصہ بن جاتا اور اس کی نسبت اختیار کر لیتا تو اسے ''وِلاء'' کہا جاتا ہے (عمر فروخ، تاریخ الجاهلیة، دار العلم للملایین، بیروت، ۱۹۲۴ء، ص ۱۵۰)

9۔ عبدالملک ابن ھشام (۲۱۳ھ)، السیرة النبویة (تحقیق: مصطفیٰ السقا وغیرہ)، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۳۷۵ھ، ج۱، ص ۳۷۲؛ عبدالرحمٰن بن عبداللہ السہیلی (۵۷۱ھ)، الروض الانف فی شرح السیرة النبویة لابن هشام (تحقیق: عمر عبدالسلام السلامی) داراحیاء التراث العربی، بیروت ۱۴۲۱ھ، ج ۳، ص ۲۲۴۔۲۲۵؛ بدرالدین محمود بن احمد العینی (۸۵۵ھ)، عمدة القاری شرح صحیح البخاری، باب اسلام عمر بن خطاب، داراحیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، ج ۱۷، ص ۴

10۔ مسلم بن الحجاج النیشاپوری (۲۶۱ھ)، الجامع الصحیح، باب من فضائل ابی ذر، رقم الحدیث ۲۴۷۳؛ محمد ابن سعد (۲۳۰ھ)،

الطبقات الکبری (تحقیق: احسان عباس)، دار صادر بیروت ۱۹۶۸ء، ج ۶،ص ۱۶

11۔ ابن سعد، الطبقات الکبری (تحقیق محمد عبدالقادر عطاء)، دارالکتب العلمیہ ، بیروت، ۱۴۱۰ھ، ج ۱،ص ۱۶۲

12۔ محمد بن اسماعیل البخاری (۲۵۶ھ)، الجامع الصحیح ، باب وفود الانصار الی النبی ﷺ بمکة، رقم الحدیث۳۸۹۲؛ باب مقدم النبی صلی اللہ علیه وسلم واصحابه المدینة، رقم الحدیث ۳۹۲۵

13۔ ان نمائندوں (نقباء) میں خزرج سے اسعد بن زرارہ،، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، سعد بن عبادہ، رافع بن مالک، عبادہ بن صامت، منذر بن عمرو، براء بن معرور، عبداللہ بن عمرو بن حرام اور اوس سے ابوالہیثم بن تیہان، اسید بن حضیر اور سعد بن خیثمہ رضی اللہ عنہم شامل تھے۔ (ابن سعد، الطبقات الکبری (تحقیق محمد عبدالقادر عطا)، ذکر النقباء الاثنی عشر رجلا، ج ۳،ص ۴۵۲ و مابعد

14۔ ابن حجر احمد بن علی العسقلانی (۸۵۲ھ)، فتح الباری شرح صحیح بخاری، دارالمعرفة، بیروت، ۱۳۷۹ھ، ج ۱،ص ۶۶، ایضاً، ج ۷،ص ۲۲۲ ومابعد

15۔ ڈاکٹر محمد یسین مظہر صدیقی، (معاصر) مکی اسوہ نبوی، اسلامک ریسرچ اکیڈمی، کراچی، ۲۰۱۰ء،ص ۱۴۸

16۔ غزوہ بدر کے موقع پر حبابؓ بن منذر کی رائے کو، غزوہ احد کے موقع پر اور غزوہ خندق میں حضرت سعدؓ بن معاذ کی رائے کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی رائے کے برعکس قبول کیا۔ اسماعیل بن عمر ابن کثیر (۷۷۴ھ)، البدایة والنهایة (تحقیق: علی شیری)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ۱۴۰۸ھ، ج ۳،ص ۳۲۶۔۳۲۷؛ شمس الدین محمد بن احمد الذہبی (۷۴۸ھ)، تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر الاعلام، المکتبة التوفیقیة، ج ۲،ص ۱۶۲

17۔ البخاری، الجامع الصحیح، سورة المنافقون، رقم الحدیث ۴۹۰۱

18۔ علی محمد الصلابی، السّیرة النبویة، عرض و وقائع و تحصیل احداث، المبحث السادس، غزوة بنی المصطلق، ج ۳،ص ۲۹۱، نیز تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو البوطی، فقه السیرة النبویه (مترجم)،ص ۳۷۵ و مابعد

19۔ محمد بن عیسیٰ، ابوعیسی الترمذی (۲۷۹ھ)، السنن (تحقیق: ابراہیم عطوة)، باب فی مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب، رقم الحدیث ۳۶۸۱

20۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، مطبعه مصطفی البابی الحلبی، مصر، ۱۹۳۶م، ج ۲،ص ۱۲۹

21۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: البوطی، فقه السیرة النبویة،ص ۴۹۳، ۵۳۴

22۔ البوطی، فقه السیرة النبویه،ص ۴۲۶

23۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب فضل مکة، رقم الحدیث ۱۵۸۴

24۔ البخاری، الجامع الصحیح، (محمد زہیر بن ناصر)، باب من لم یرا کفار من قال ذلک متاولا او جاهلا، رقم الحدیث ۶۱۰۶

25۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب اذا صلی لنفسه فلیصل ما شاء، رقم الحدیث ۷۰۳

26۔ ابوداؤد سلیمان بن اشعث (۲۷۵ھ)، السنن (تحقیق: محمد محی الدین عبدالحمید)، باب ما تجوز فیه المسئلة، رقم الحدیث ۱۶۴۱

27۔ مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز ، باب القیام للجنازة، رقم الحدیث ۹۶۱

28۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج ۲،ص ۳۴؛ البوطی، فقه السیرة النبویه،ص ۸۴۹

29۔ احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)، المسند، عن عائشه بنت الصدیق (تحقیق،، شعیب الارنووط وغیرہ)، رقم الحدیث ۲۴۸۵۵

☆

www.rahima.org

مطالعۂ تاریخ و سیاست

ولی اللّٰہی سیاسی تحریک؛ آغاز و ارتقا

پہلا دور (1731ء تا 1831ء) تاریخ کی روشنی میں

ترتیب و تحقیق: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

دین اسلام نے انسانی سوسائٹی اور اس کی اجتماعی وحدت کے تمام شعبوں کے حوالے سے رہنمائی دی ہے۔ چناں چہ جہاں دین اسلام کی تعلیمات میں ''شریعت'' کی اساس پر قوانین کی وضاحت کی گئی ہے اور تربیت اور تزکیے کے حوالے سے ایک بہترین ''طریقت'' کا نظام پیش کیا ہے، وہاں انسانی سوسائٹی کی اجتماعی شیرازہ بندی کے لیے ''سیاست'' پر مبنی دینی تعلیمات انسانیت کی رہنمائی کا کردار ادا کرتی ہیں۔

انبیا علیہم السلام کی سیاسی جدوجہد اور دین میں سیاست کی اہمیت

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک انبیا علیہم السلام کی تعلیمات میں سیاست ایک اہم عامل کے طور پر کردار ادا کرتی رہی ہے۔ نبی اکرمؐ کی ایک حدیث مبارکہ بڑے واضح الفاظ میں اس حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

> **''كانت بنو إسرائيل تسوسهم الأنبياء، كلّما هلك نبيّ، خلفهٔ نبيّ آخر، و إنّهٗ لا نبيّ بعدی، و سيكون خلفاء، فيكثرون.''** (1)
>
> (بنی اسرائیل کی سیاست اُن کی انبیؑا کرتے تھے۔ اور جب بھی ایک نبی دنیا سے جاتے تو دوسرے نبی اُن کے خلیفہ بن کر آجاتے۔ بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ عنقریب (میرے) خلفا ہوں گے، اور وہ بہت کثرت سے ہوں گے۔)

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ انبیا علیہم السلام قوموں کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتے رہے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ سے لے کر اب تک انبیا علیہم السلام اور اُن کے خلفا کا یہ سیاسی تسلسل اس طرح جاری رہا ہے کہ جیسے ہی ایک نبی دنیا سے جاتے تو دوسرے نبی اُن کے خلیفہ اور قائم مقام بن کر سیاسی ذمہ داریاں نبھانے کے لیے مقرر کیے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ نبی اکرمؐ پر نبوت کا دروازہ بند ہوگیا، آپؐ کے بعد انبیؑا کی یہ سیاسی وراثت اُن کے خلفا کے ذریعے سے جاری رہے گی۔ اور قیامت تک خلفا کا یہ سلسلہ کثرت سے جاری رہے گا۔

دین و سیاست کی جامعیت

دین اور سیاست کی یہی وہ جامعیت ہے، جو حضرت ابراہیمؑ سے لے کر اب تک پورے تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ اس لیے دین اسلام کی تعلیمات میں ''دینی تحریک'' اور ''سیاسی تحریک'' کو الگ الگ سمجھنا درست نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ دیگر مذاہب کے تناظر میں یہ تقسیم کسی حد تک درست ہو، لیکن دینِ اسلام کے حوالے سے دینی تحریک اور سیاسی تحریک کی تقسیم پیدا کرنا بالکل غلط ہے۔ چناں چہ اس حوالے سے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''(حضرت ابرہیم علیہ السلام سے شروع ہونے والی) حنفی تحریک میں ذہنی، عقلی، معاشی اور معاشرتی سب پہلو موجود ہیں۔ اور ان سب پہلوؤں میں ترقی ہی اسے تکمیل تک پہنچا سکتی ہے۔ ان پہلوؤں کے لحاظ سے یہ تحریک ''دینی'' بھی ہے اور ''سیاسی'' بھی۔ لیکن آج کل بعض لوگ ''دینی تحریک'' اور ''سیاسی تحریک'' میں فرق کرتے ہیں۔ یہ لوگ ''دینی تحریک'' کو خیالی (Idealistic) تحریک کہتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ صرف ''رہبانیت'' کی تحریک بن کر رہ جاتی ہے۔ ''سیاسی تحریک'' کو حقیقت پسندانہ (Realistic) تحریک قرار دیتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک حنفی تحریک کے بارے میں ''دینی'' اور ''سیاسی'' کی یہ تقسیم صحیح نہیں ہے اور نہ یہ تقسیم کسی مضبوط بنیاد پر قائم ہے۔

اصل میں انسانیت شروع سے آخر تک ایک وحدانی (Unitary) چیز ہے۔ اسے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اجتماعیت انسانی کی کسی تحریک کو عمل کی سہولت کی غرض سے دینی اور سیاسی اجزا میں تقسیم بھی کر لیا جائے تو اس سے دو تحریکیں نہیں بن جاتیں۔ کیونکہ ان دونوں کا مقصد بہرکیف انسانیت عامہ کی ترقی ہی رہتا ہے۔ جب اہل دین ایسے خیالات اور اعمال کی طرف رجعت اختیار کر لیں جو غیر محققانہ (Unscientific) ہوں، یا اہل سیاست انسانیت کے صرف معاشی پہلو کو لیکر بیٹھ جائیں اور انسان کی مکمل انسانیت کی ترقی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں تو یہ اختلاف صرف اصطلاحی (Terminological) اختلاف رہ جاتا ہے۔ ہم ان دونوں کی طرف التفات نہیں کرتے۔

اس کی مثال یوں سمجھنی چاہیے کہ ایک بادشاہ ممالک فتح کرنے کے در پے ہو جاتا ہے تا کہ ان میں ظلم دور کر کے انصاف و عدل قائم کرے۔ ایک اور شخص سوسائٹی میں صحیح علم پھیلانے میں لگ جاتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں انسانیت کی تکمیل کر رہے ہیں۔ ان میں آپس میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ اصل میں صحیح دین وہ ہے جس کے امام سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ وہی کامل اور مکمل انسانیت سے بحث کرتا ہے۔ اور ان کی تحریک عالمی تحریک ہے جو ایک ہی وقت میں دینی بھی ہے اور سیاسی اور معاشی بھی۔ اس تحریک کو بین الاقوامی پیمانے پر ترقی دینے کے لیے حضرت محمد ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔

ایک علمی شخص اپنے علم کو انسانیت عامہ کے لیے مفید دیکھتا ہے۔ وہ یہ علم ان لوگوں کو سکھاتا ہے جو اسے سیکھ سکتے ہیں۔ اس فکر پر ان کے جمع ہو جانے سے طبعی طور پر جماعت (Party) بن جاتی ہے جو اس اجتماع سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر وہ شخص چاہے کہ اس کے عمل کو کوئی اور لوگ ـــ جو اس کے طریقے سے واقف نہیں ہیں یا جو اس فکر کی ترقی

www.rahimia.org

میں اپنے ذاتی مفادات (Vested Interests) کا نقصان تصور کرتے ہیں— قوت کے ذریعے سے خراب نہ کر دیں تو کیا صحیح علم کے مالک کے لیے یہ ضروری نہ ہوگا کہ اپنے فکر کی حفاظت کے لیے قوت دفاع (Defensive) مہیا کرے؟ اور کیا اس طرح اسے سیاست کے میدان میں آنا نہیں پڑے گا؟ اس سے ظاہر ہے کہ صحیح علم کے لیے سیاست (Politics) اور حکومت (State/Government) ضروری اور ناگزیر ہیں۔ اس لیے جب ہم کہتے ہیں کہ انسانیت ناقابل تقسیم وحدت ہے تو اس سے ہماری یہی مراد ہوتی ہے۔....

الغرض! ائمہ ادیان ہی اصل میں جامعۂ انسانیہ (Human Society) کے حقیقی امام ہوتے ہیں جو لوگ انسانی سوسائٹی کے منافع میں سے چند ایک کو لے کر کام کرتے ہیں، وہ انبیًا سے کم درجے کے لوگ ہوتے ہیں۔ جو اہلِ سیاست اور اہلِ فلسفہ وحکمت اور جو سائنس دان اپنے آپ کو ان ائمہ دین کے تحت بہ طور جزوی کارکن لے آئیں، وہ طبعی طور پر ان ائمہ سے دوسرے درجے پر شمار ہوں گے۔ جو شخص دین کے معنی سمجھتا ہے اور اجتماعیت کا مفہوم بھی جانتا ہے اور اہلِ سیاست وفلسفہ میں سے خدامِ انسانیت کی بھی پہچان رکھتا ہے، وہ ائمہ دین کے سوا کسی کو اجتماعیت انسانیہ کا امام تسلیم نہیں کرسکتا۔''(2)

اس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر اب تک انبیا، صدیقین، اولوالعزم اولیا اور مجددینِ امت نے جہاں عقائد واعمال کی درستی کی کوشش کی، وہاں عدل وانصاف پر مبنی شرعی قوانین کا عملی سیاسی نظام قائم کرنے کے لیے بھی کردار ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدینؓ، عادل حکمرانوں اور فقہائے امت اور مجددین اولیاء اللہ نے ہر دور کے حالات کی مناسبت سے سیاسی جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ اور اس حوالے سے فکری اور عملی کردار ادا کرتے ہوئے سیاسی تحریکات منظّم کی ہیں۔ اور اس کی تاریخ اسلام میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

مجددی اور ولی اللّٰہی دینی سیاسی جدوجہد کے مطالعے کی اہمیت

اس آخری دور میں اس کی بہترین مثال امامِ ربانی مجدد الف ثانیؒ کی دینی سیاسی جدوجہد اور حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی برپا کردہ جامع دینی سیاسی تحریک ہے۔ ان حضرات کی عظیم الشان جدوجہد نے دین اسلام کی جامع تعلیمات، یعنی شریعت، طریقت اور سیاست کو غالب کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

برعظیم پاک و ہند کی سیاسی تاریخ کا مطالعہ اس خطے میں بسنے والے لوگوں کے لیے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ ہر قوم اپنے خطے کی سیاسی، سماجی اور معاشی تاریخ کا مطالعہ کر کے بنیادی فکر وفلسفے کا تعین کرتی ہے۔ اس کی روشنی میں ہی قوموں کی اقدار کا تعین ہوتا ہے اور انھی اقدار کی اساس پر سیاسی، معاشی اور سماجی نظام تشکیل دیے جاتے ہیں۔ بلاشبہ دینِ اسلام کی عالم گیر اور روشن تعلیمات نے اس برعظیم کو اپنے نور کی ضیا پاشیوں سے منور کیا ہے۔ برعظیم پاک و ہند میں مسلم دور کے عروج کی تاریخ کا مطالعہ یقیناً اہمیت کا حامل ہے۔ مسلمانوں کے غلبے کے ہزار سالہ دور میں اس برصغیر نے ترقی کی منازل طے کیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ دور سیاسی، سماجی اور معاشی حوالے سے ایک بہترین دور تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں اس دور پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اس کی

www.rahimia.org

اہمیت کو تسلیم بھی کیا گیا ہے۔

دورِ زوال کی سیاسی تحریکات کے بارے میں غلط فہمی

اٹھارہویں صدی عیسوی سے برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کا دورِ عروج' دورِ زوال میں بدلنے لگا۔ اس طرح گزشتہ دو ڈھائی سو سال سے برعظیم پاک و ہند غلامی کی حالت میں رہا ہے۔ یہی وَجہ ہے کہ اس دور کی سیاسی تاریخ کا سرسری مطالعہ کرنے والے لوگ بہت سے ابہامات اور مخمصوں کا شکار ہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس دور میں سوائے سیاسی زوال کے اَور کوئی مثبت سیاسی تحریک اس خطے میں نہیں تھی۔ نیز غلامی کے سبب سے عمومی تأثر یہ پیدا کر دیا گیا ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے پھیلاؤ کے حوالے سے اگر کوئی تحریک تھی بھی تو وہ محض مذہبی تعلیم کے فروغ کی تحریک تھی۔ اس دور میں زیادہ سے زیادہ دینِ اسلام کے علوم و افکار پڑھنے پڑھانے اور پھیلانے کا کام کیا گیا ہے۔ اس طرح دینِ اسلام کی تعلیمات کی اساس پر سیاسی تحریک کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک کے مطالعے کی اہمیت

اس تناظر میں یہ ضروری ہے کہ اس خطے کی پچھلے دو ڈھائی سو سال کی سیاسی تاریخ کا معروضی حوالے سے مطالعہ کیا جائے۔ اس حقیقت کا ادراک کیا جائے کہ اس دور میں بھی دینِ اسلام کی تعلیمات پر مبنی ایک سیاسی تحریک موجود رہی ہے۔ اس حوالے سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک بلاشبہ بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جہاں اس خطے میں دینِ اسلام کی روشن تعلیمات اور اس کے علوم و افکار کی تجدید کی، وہاں انھوں نے عملی طور پر ایک ایسی سیاسی تحریک کی بنیاد بھی رکھی، جس نے پچھلے ڈھائی سو سال میں اس خطے کو بجا طور پر متأثر کیا ہے۔ خاص طور پر مسلمانوں کے سیاسی زوال کے زمانے میں، سیاسی شعور پیدا کرنے اور اس پر ایک عملی تحریک برپا کرنے کے لیے انھوں نے جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ نہ صرف خود حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس سیاسی تحریک کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا، بلکہ آپؒ کے جانشین اور تربیت یافتہ حضرات نے اس ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کو آج تک زندہ رکھا ہے۔ اس خطے کی تاریخ کے مطالعے کے لیے ضروری ہے کہ اس سیاسی تحریک کا بھرپور شعور حاصل کیا جائے۔ اس کے بغیر اس خطے کی تاریخ کا مطالعہ نامکمل رہے گا۔

ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے تعارف میں مولانا سندھیؒ کا کردار

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تحریک کے تاریخی مطالعے کے لیے سب سے پہلے جس شخصیت نے قلم اُٹھایا، وہ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ہیں۔ جنھوں نے تاریخی دلائل کی روشنی میں اس سیاسی تحریک کے بنیادی نکات اور ادوار کا تعین کیا ہے۔ اور تاریخی حوالے سے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ برعظیم میں ولی اللّٰہی جماعت کی برپا کی ہوئی سیاسی تحریک نے کیا اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس تحریک نے نہ صرف غلامی کے خلاف آزادی اور حریت کی جنگ کو مہمیز دی، بلکہ اس خطے میں بسنے والے تمام انسانوں کے مسائل کے حل کرنے کے لیے آواز بلند کی۔ چناں چہ اس خطے کے لیے امن، عدل، انصاف اور سماجی فلاح کا حصول اس تحریک کے نمایاں اصول رہے۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی برپا کردہ اس سیاسی تحریک کے پہلے دور

www.rahimia.org

(1731ء تا1831ء) کے تاریخی مطالعے کے حوالے سے اہم نکات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں۔

1۔ سماجی تشکیل کے لیے ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کا نظریہ اور عملی کردار

کسی بھی معاشرے میں برپا ہونے والی سیاسی تحریک کے مطالعے میں معاشرے کی تشکیل میں متحرک کردار ادا کرنے والی سماجی لہروں اور ان کے پس پردہ سیاسی محرکات اور عوامل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ اور اُس معاشرے کی صورت گری میں کردار ادا کرنے والے ایسے اہم تاریخی واقعات کا تحلیل و تجزیہ کیا جاتا ہے، جن کی وَجہ سے انسانیت کے فائدے کے لیے ایک بہتر نظریے کو فروغ ملا ہو اور اُس نظریے پر ایک ایسی اجتماعیت قائم ہوئی ہو، جس نے اپنی جدوجہد سے سوسائٹی کے تمام شعبوں میں بڑا جان دار کردار ادا کیا ہو۔

اس نقطۂ نگاہ سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خانوادے کی ہمہ جہتی جدوجہد کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوگا کہ ان حضرات نے برعظیم پاک و ہند کے سماج کی تشکیل کے لیے ایک واضح نظریہ دیا۔ اس نظریے پر افراد سازی کی اور اُن پر مشتمل ایک اجتماعیت قائم کی ہے۔ اس ولی اللّٰہی اجتماعیت نے ایک عملی جدوجہد اور کوشش کی اور اس خطے کی سماجی زندگی میں ایک تحریک برپا کر کے نئی روح پھونک دی۔ خاص طور پر اس خطے کے زوال کے زمانے میں دین اسلام کے نظریے کی تجدید کرتے ہوئے اس کے تحریکی عمل کو آگے بڑھایا۔ اس طرح بلاشبہ خانوادۂ ولی اللّٰہی کی یہ جدوجہد ایک سیاسی تحریک کی حیثیت رکھتی ہے، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اس سیاسی تحریک نے وسعت اختیار کر کے اپنی ایک عارضی قومی حکومت بھی قائم کی، جو کسی بھی سیاسی تحریک کا ایک اہم ترین نتیجہ ہوتا ہے۔

2۔ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے ادوار

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس دور کے سیاسی عوامل پر مبنی تاریخی واقعات کی نشان دہی کی ہے اور انھیں ایک ترتیب کے ساتھ مرتب کر کے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ واقعات کے تاریخی مطالعے سے درست نتائج اخذ کیے ہیں۔ اس طرح ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے صحیح خدوخال بڑے مربوط انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے چند ادوار متعین کیے ہیں:

1۔ پہلا دور: 1731ء سے1831ء تک

2۔ دوسرا دور: 1831ء سے1920ء تک

3۔ تیسرا دورا: 1920ء کے بعد کا دور۔(3)

3۔ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کا پہلا دور (1731ء سے 1831ء)

تقریباً ایک صدی پر مشتمل اس سیاسی تحریک کا پہلا دور1731ء سے شروع ہوکر1831ء تک کے دورانیے پر مشتمل ہے۔ اس دور میں اس سیاسی تحریک کی قیادت کرنے والے رہنماؤں نے اپنی علمی، فکری اور عملی جدوجہد کے نمایاں نقوش اس سرزمین پر چھوڑے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے فکر و فلسفے پر جو سیاسی تحریک شروع کی، اس نے اس ایک سو سال میں درجہ بہ درجہ

www.rahimia.org

آگے بڑھتے ہوئے ترقی کا سفر طے کیا۔ ولی اللّٰہی علوم و افکار پر جو تحریک شروع ہوئی، اسی کا تسلسل حضرت امیر شہید سیّد احمد شہید قدس سرہٗ کی جدوجہد اور کوشش ہے۔ اس دور میں اس ولی اللّٰہی تحریک نے نہ صرف پورے برصغیر کو اپنے سیاسی عمل سے متأثر کیا، بلکہ آگے بڑھ کر برعظیم پاک و ہند کے ایک اہم خطے پر اپنی عارضی حکومتِ ہند بھی قائم کی۔ 1831ء میں حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت پر اس تحریک کے پہلے دور کی تکمیل ہوتی ہے۔ یوں تقریباً ایک صدی پر مشتمل اس دور میں ولی اللّٰہی سیاسی تحریک نے ظلم و کفر اور غلامی کی سیاہ رات کے خلاف عظیم الشان جدوجہد کی ہے۔ یقیناً اس دور کی سیاسی تاریخ کے اہم واقعات کا مطالعہ سیاسی شعور کے فروغ کا باعث ہے۔ اس دور کے ذیلی مراحل کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''اس صدی میں اس تحریک کے لیے تین امام ظاہر ہوئے۔ اور ایک اِمارت منعقد ہوئی:

(الف)	امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ	1731ء تا 1763ء
(ب)	امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ	1763ء تا 1824ء
(ج)	امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ	1824ء تا 1846ء
(د)	امیر شہید سید احمد شہیدؒ کی حکومتِ مؤقتہ	1823ء تا 1831ء

اس سال (1831ء) اس تحریک کا پہلا دور پورا ہوا۔''(4)

اس سیاسی تحریک کے پہلے دور (1731ء تا 1831ء) کے اہم تاریخی مراحل کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

4۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا سیاسی فکر و عمل (1731ء تا 1763ء)

دینِ اسلام کی تعلیمات کی تجدید کے حوالے سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ اس دور کے اہم ترین رہنما ہیں۔ انھوں نے نہ صرف شریعت کے قوانین و احکامات کی حکمتیں اور ان کے اساسی فلسفے کی نشان دہی کی اور شعبۂ طریقت کے علمی اور عملی پہلوؤں کو ایک نئے طریقۂ کار کے مطابق مرتب اور مدوّن کر دیا، بلکہ سیاسی حوالے سے بھی دین اسلام کے غلبے کی جدوجہد اور کوشش کی ہے۔ آپؒ نے قرآنی تعلیمات کی روشنی میں اپنے سیاسی افکار و نظریات کی نشان دہی کی۔ ان افکار و نظریات پر ایک جماعت کی تربیت کی اور پھر ہندوستان کے سیاسی نظام میں تبدیلی لانے کے لیے عملی طور پر سیاسی جدوجہد اور کوشش بھی فرمائی۔ اس طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایک ایسی جامع شخصیت کے طور پر سامنے آتے ہیں، جو اس دور میں انبیا علیہم السلام کے سیاسی جانشین اور خلیفہ ہیں۔

(الف) امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تاریخی تسلسل اور تجدیدی کردار

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ/1703ء بروز بدھ کو پیدا ہوئے۔ آپؒ نے اپنے والد حضرت الامام شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور تمام علوم و فنون میں ان سے پورا پورا فیض اٹھایا۔ حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ میں تمام سلاسل طریقت و شریعت اور سیاست کی جامعیت موجود تھی، وہ آپؒ میں منتقل ہوگئی۔ اپنے والدِ گرامی کے انتقال (۱۱۳۱ھ/1719ء) کے بعد آپؒ ان کے جانشین قرار پائے۔

www.rahimia.org

(i) امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا تاریخی تسلسل

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اپنے والد کی نسبت سے دین اسلام کی تعلیمات کا ایک تاریخی تسلسل رکھتے ہیں۔ اسی کی اساس پر انھوں نے اپنے فکر وعمل کی بنیاد رکھی ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''جس سال (اورنگ زیب) عالم گیر کے تخت پر سلطان محمد شاہ متمکن ہوا، اُسی سال دہلی کے مرتاض صوفی عالم، مولانا (شاہ) عبدالرحیم بن وجیہ الدین العمری کے مدرسے میں حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ اپنے باپ کی مسندِ تدریس پر جلوہ افروز ہوئے۔ یہ 1719ء/ ۱۱۳۱ھ کا واقعہ ہے۔

حکیم الہند (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے 12 برس پڑھانے میں صرف کیے۔ جو کچھ اپنے والد اور اُن کے رفقا سے سیکھا تھا، اس میں سے قرآن عظیم کا ترجمہ اور حکمتِ عملیہ اور اشراقِ قلبی (روشن ضمیری) سے علمی حقائق کا انکشاف، ان کی توجہ کا خاص مرکز بنے رہے۔ اس فکرِ عمیق سے وہ دہلی کی سوسائٹی کا مطالعہ کرتے رہے۔ اُس زمانے کی دہلی میں اگر ایک طرف خرابی پیدا ہوگئی تھی، تو اس کے ساتھ ابھی تک ایک خوبی بھی یقیناً باقی تھی۔ طبقۂ اُمرا میں آصف جاہ جیسا فرزانہ اور طبقہ صوفیا میں مرزا محمد مظہر جانِ جاناںؒ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ شہر میں مختلف کتب خانے اور باکمال اساتذہ موجود تھے۔ گویا ایک مفکر کے لیے کافی وسیع میدان موجود تھا۔

امام ولی اللہؒ نے اپنے اس 12 برس کے مطالعے میں، اصلاحی پروگرام کے دو اصول معین کر لیے:

(الف) علمی اصلاح کے لیے قرآن عظیم کی حکمتِ عملی کو اس کے معجزہ ثابت کرنے کا عنوان بنانا۔

(ب) دولت (حکومت) وملت کے تمام اَخلاقی اور عملی مفاسد کا مرجع اور مدار (سبب)، اقتصادی عدمِ توازن کو قرار دینا۔

وہ اپنے فکر کو مدلل کر کے، اُسے قوم میں شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے جس قدر علم حدیث کی ضرورت انھیں محسوس ہوئی، وہ دہلی میں حاصل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس کی تحصیل وتکمیل کے لیے انھوں نے سفرِ حجاز اختیار کیا۔ کامل اساتذہ کی صحبت اور اعلیٰ علمی کتابوں کے مطالعے سے دو سال میں انھوں نے حدیث وفقہ میں مجتہدانہ کمال پیدا کر لیا۔ جو تجدید یا انقلاب کے لیے ایک ضروری امر ہے۔ اس کے ساتھ ان کی قوتِ اشراق (کشف) نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانیت سے استفادے کا موقع بہم پہنچایا۔ (اپنی کتاب) ''فُیوض الحرمین'' میں انھوں نے وہ فلسفی، سیاسی، اجتماعی فوائد جمع کر دیے ہیں، جو اس طرح حاصل کیے۔''(5)

حضرت شاہ صاحبؒ نے 1731ء میں حرمین شریفین کا سفر اختیار کیا ہے۔ آپؒ ۱۵ر ذوقعدہ ۱۱۴۳ھ/ 22ر مئی 1731ء کو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً تیرہ چودہ ماہ قیام کے بعد اوائل ۱۱۴۵ھ (اواخر 1732ء) میں واپسی کا سفر اختیار کیا اور ۱۴ر رجب ۱۱۴۵ھ/ یکم رجنوری 1733ء کو واپس دہلی تشریف لائے۔ حرمین شریفین میں قیام کے

www.rahimia.org

دوران آپؒ نے اپنے علم و فکر کی تکمیل کی اور اس دوران آپؒ کو فکر و فلسفے، سیاست و اجتماعیت سے متعلق جتنے بھی فوائد حاصل ہوئے تھے، انھیں آپؒ نے مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران ''فُیوض الحرمین'' میں بیان کر دیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے تجدیدی افکار میں اس کتاب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

(ii) شاہ صاحبؒ کے تجدیدی کردار کے پانچ اہم نکات

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تجدیدی حوالے سے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ اس کے پانچ اہم نکات کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''اگر اہلِ علم حکیم الہند (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کی تصانیف اِنہماک سے پڑھیں تو انھیں اُن کے مخصوص نظریات پر یقین حاصل ہوگا۔ اُن کے وہ افکار، جو اُن کو بالبداہت (واضح طور پر) معلوم ہوں گے، ہم اُن میں سے پانچ بہ طورِ نمونہ یہاں ذکر کرتے ہیں:

1۔ قرآن عظیم اپنے انٹرنیشنل انقلابی نظام میں مستقل مؤثر ہے۔ یعنی رہتی دنیا تک مسلمانوں کی کوئی جماعت جب بھی اس پر عمل کرے گی، اس سے وہی نتائج پیدا ہوں گے، جو دورِ اول میں دنیا نے دیکھے۔ یہ قرآن کی تاثیر ہے۔ کسی آدمی یا زمانے کی تخصیص لغو ہے۔

2۔ مسلمانوں کی اجتماعی تحریک، جسے قرآن حکیم کی تفسیر کے طور پر سیکھنا ضروری ہے، وہ دورِ اول، یعنی مبعث (بعثتِ نبویؐ) سے فتنۂ عثمانؓ (حضرت عثمانؓ کی شہادت) پر ختم ہوگئی۔ اہل مدینہ نے ان تعلیمات کو محفوظ کرلیا ہے اور وہ ''مؤطّا إمام مالک'' میں مدوّن ملتی ہیں۔ اس لیے تمام کتبِ حدیث و فقہ پر ''مؤطّا'' کو مقدم ماننا چاہیے۔

3۔ قرآن عظیم نے تمام ادیان پر جس غلبے کا دعویٰ کیا ہے، وہ اسی دورِ اول میں پورا ہو چکا ہے۔ اُس کی تکمیل کے لیے کسی نبی یا ولی کا انتظار غلط ہے۔ فرقہ شیعہ، اہل بیت کے نام سے غلط پراپیگنڈا کر کے مسلمانوں کی ذہنیت جس قدر مسموم کر چکے ہیں، حکیم الہندؒ کی تصانیف اس کا علاج ہیں۔

4۔ چار اَخلاق (طہارت، اِخبات، سماحت اور عدالت) کو حکیم الہندؒ دنیا اور آخرت کی فلاح کا مدار قرار دیتے ہیں۔ اُن کا مرکز ''عدالت'' ہے۔ کسی سوسائٹی میں عدل پیدا نہیں ہوسکتا، جب تک رزق کمانے والی جماعتوں پر اُن کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنے سے احترازِ کلی (مکمل پرہیز) نہ کیا جائے۔ نزولِ قرآن کے زمانے میں کسریٰ و قیصر نے تمام متمدن دنیا کے اکثر حصے کو اقتصادی پریشانی میں مبتلا کر کے اَخلاق سے محروم کر دیا تھا۔ اس لیے قرآن عظیم کا سب سے بڑا مقصد اُن کا زور توڑ کر ایسا نظام نافذ کرنا ہے، جو اقوامِ عالم کو اس مصیبت سے نجات دلائے۔

5۔ قرآنِ عظیم کی اس انقلابی دعوت کو زندہ کرنے کا ارادہ جب کسی مسلم سوسائٹی میں پیدا ہو، تو اس کے لیے ضروری ہے کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شرفائے قریش کے جو خاندان مہاجرین اوّلین کا شرف حاصل کر چکے

www.rahimia.org

ہیں، اُن کی ذہنیت اور اُن کی معاشی، معاشرتی سیرت کو اپنا امام بنائے۔

یہ انقلابی روح پیدا کرنے کے لیے حکیم الہند (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) عربی زبان اور عربِ اُوَل (عربوں کے ابتدائی عہد) کی سیرت کو ایک معیار قرار دیتے ہیں۔ اُن کا یہ مطلب نہیں کہ سُفہائے عرب (عرب کے بے وقوف لوگ) اگرچہ جاہلیت کو زندہ کر رہے ہوں، اس صورت میں بھی انھیں کی اقتدا کی جائے۔''(6)

یہی وہ پانچ بنیادی نکات ہیں، جنھیں حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سفرِ حرمین شریفین کے بعد سے لے کر اپنی پوری زندگی میں پیشِ نظر رکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات ۲۹ر محرم الحرام ۱۱۷۶ھ/ 21ر اگست 1762ء بروز ہفتہ، بہ وقتِ ظہر ہوئی۔ اس طرح 1731ء سے 1762ء تک کا دور اس حوالے سے نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ یہ پورا عرصہ آپؒ نے دین کے غلبے کی جدوجہد اور کوشش میں صرف فرما دیا۔ خاص طور پر اس پورے عرصے میں اپنی سیاسی تحریک کے لیے افکار و نظریات کو منظّم کیا۔ جماعت سازی کی اور عملی سیاسی کردار ادا کیا۔

(ب) حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی قیادت کا نقطۂ آغاز

1731ء میں حرمین شریفین کے سفر نے حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علمی اور عملی سفر میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ آپؒ ۱۵ر ذوقعدہ ۱۱۴۳ھ/ 22ر مئی 1731ء کو مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے۔ اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ میں تقریباً ایک سال قیام کے دوران علوم و فنون اور روحانی ترقی کے حوالے سے آپؒ کی تمام منازل طے ہوتی ہیں۔ اس موقع پر مکہ معظّمہ میں ۲۱ر ذوقعدہ ۱۱۴۴ھ/ 16ر مئی 1732ء کو ہندوستان کے سیاسی معاملات کے متعلق آپؒ کو ایک مشاہدہ ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ آپؒ کی سیاسی قیادت کے منصب پر فائز ہونے کا نقطۂ آغاز ہے۔ اور یوں یہی واقعہ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے آغاز کی نشان دہی کرتا ہے۔ چناں چہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ''التمهيد لتعريف ائمّة التّجديد'' میں ایک عنوان: ''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا الہامی طور پر ہندوستانی تحریک کی تجدید کے لیے تقرر'' قائم کرتے ہیں، جس میں تحریر فرماتے ہیں:

''امام ولی اللہ دہلویؒ ''فيوض الحرمين'' میں فرماتے ہیں:

''میں نے خواب کی حالت میں اپنے آپ کو دیکھا کہ: ''میں ''قائم الزّمان'' (اس زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے والا) ہوں۔'' اس سے میری مراد یہ ہے کہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے خیر اور بھلائی کا نظام قائم کرنے کا ارادہ کیا تو اُس نے اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے مجھے اپنا آلۂ کار بنایا۔

میں نے دیکھا کہ کافروں کا حکمران مسلمان ملکوں پر تسلط حاصل کر لیتا ہے۔ اُن کے مالوں کو لوٹتا ہے اور انھیں غلام بنا لیتا ہے۔ اُس نے ''اجمیر'' شہر میں کفر کے شعائر (نظام) کو غالب کر دیا۔ اور اسلام کے شعائر (اور نظام) کو ختم کر کے رکھ دیا۔ اللہ کی پناہ۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ زمین والوں پر شدید ناراض ہوا۔ اور میں نے اس غضب کی حالت کو ''ملاءِ اعلیٰ'' میں متمثّل (مثالی) شکل میں دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ''ملاءِ اعلیٰ'' کی جانب سے میرے نفس پر پیدا ہونے والی تاثیر کے نتیجے میں، مَیں بھی بہت غصے اور غضب کی حالت میں ہوں۔ میں اس وقت لوگوں کے ایک بہت بڑے جم غفیر (مجمع) میں ہوں۔ اور میں نے دیکھا کہ لوگ بھی میرے غصے اور ناراضگی کی وجہ سے سخت غضب ناک

www.rahimia.org

حالت میں ہیں۔

اس حالت میں انھوں نے مجھ سے پوچھا کہ: ''**ماذا حکم اللّٰہ فی ہٰذہ السّاعۃ؟**'' (اس وقت اللہ کا حکم کیا ہے؟) میں نے کہا: ''**فکُّ کلّ نظام**'' (ہر بوسیدہ نظام کو توڑنا) لوگوں نے پوچھا: ''**إلٰی متٰی؟**'' (کب تک؟) میں نے کہا: ''**إلٰی أن ترونی سکت غضبی**'' (یہاں تک کہ تم مجھے دیکھو کہ میرا غصہ ٹھنڈا ہوگیا ہے)

پس وہ تمام لوگ دشمن کے ساتھ لڑنے لگے۔ پھر میں نے ایک شہر کا رخ کیا اور اس کو تہ و بالا کر کے رکھ دیا۔ اور وہاں کے ظالم لوگوں سے میں نے لڑائی کی۔ باقی لوگوں نے بھی اس سلسلے میں میری پیروی کی۔ حتیٰ کہ ہم ایک شہر کے بعد دوسرے شہر کے نظاموں کو توڑتے اور انھیں تہ و بالا کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، یہاں تک کہ ہم ''اجمیر'' پہنچ گئے۔ پھر میں نے دیکھا کہ کافر اور ظالم بادشاہ کو قوم نے پکڑ لیا، اس کو نیچے گرالیا اور چھری سے اسے ذبح کر دیا۔ جب میں نے خون اس کے گلے کی رگوں سے تیزی سے نکلتا ہوا دیکھا تو میں نے کہا: ''اب اللہ کی رحمت نازل ہوئی اور سکون و اطمینان ان لوگوں کے شامل حال ہوگیا، جنھوں نے اس جہاد و قتال میں حصہ لیا تھا۔ اور وہ سب اللہ کی رحمت میں شامل ہوگئے۔

اسی دوران ایک آدمی میرے سامنے کھڑا ہوا اور اُس نے مجھ سے مسلمانوں کی آپس کی لڑائیوں کے بارے میں سوال کیا۔ تو میں نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہیں کی۔

میں نے یہ خواب جمعہ کی رات ۲۱/ ذوقعدہ ۱۱۴۴ھ (16/ مئی 1732ء) کو دیکھا۔''(7)

اس مشاہدے میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دیکھا کہ برصغیر پاک و ہند میں سیاسی تغیر وتبدل کی ایک نئی لہر اُٹھ رہی ہے۔ کفر وظلم کی سیاہ رات اس خطے پر مسلط ہوا چاہتی ہے۔ اس کے مقابلے پر حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ گویا اس مشاہدے میں کفر وظلم کے ہر نظام کے خلاف امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو سیاسی حوالے سے انقلابی جدوجہد کے لیے منتخب کرلیا گیا۔ اس مشاہدے کے بنیادی نکات کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''اب ان کی انقلابی قوتِ علمی اپنے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی۔ جو کچھ انھیں مستقبل میں پیش آنے والا ہے، اُسے انھوں نے خواب میں دیکھ لیا۔ چناں چہ انھوں نے شب جمعہ ۲۱/ ذوقعدہ ۱۱۴۴ھ/ 1731ء (صحیح 16/ مئی 1732ء ہے) کو مکہ معظّمہ میں ایک الہامی خواب دیکھا۔ اس کا حاصل (خلاصہ) ہم اپنی زبان میں تحریر کرتے ہیں:

(الف) انھیں یقین دلایا گیا کہ وہ ان مفاسد کے علاج میں ایک مستقل ذمہ دار حیثیت کے مالک ہیں، یعنی ان کا انقلابی کمال اپنی مستقل حکومت کا مقتضی ہے۔

(ب) انھیں بتایا گیا کہ پہلا نظام توڑ کر اس کے عوض وہ نیا نظام قائم کرنے کا ذریعہ بنیں گے۔ یعنی وہ ہندوستانی مسلمانوں کے تمام دینی علوم اور سیاسی و اجتماعی تحریکات میں مستقل امام ہوں گے۔

(ج) انھیں سمجھایا گیا کہ ان کی اصلاحات نافذ ہونے کے لیے باہمی لڑائیوں کا طویل سلسلہ پیش آنے والا ہے۔

اس طرح سارے خواب کا حاصل یہ نکلا کہ حکیم الہند مکمل اجتماعی انقلاب کے شروع کرنے والے ہیں۔''(8)

www.rahimia.org

مولانا عبیداللہ سندھیؒ مزید فرماتے ہیں:

''شاہ (ولی اللہ دہلویؒ) صاحب کو الہام ہوا کہ آئندہ جو انقلابات زمانے میں ہوں گے، شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) ان کا واسطہ ہوں گے۔ خدا تعالیٰ نے جس انقلاب کا ارادہ کیا ہے، اس کا آلہ ان کو بنائے گا۔..

ہم نے کوشش کی کہ معلوم کریں کہ اس خواب (مشاہدے) نے خارج (واقع) میں کیا صورت اختیار کی تو ہماری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ (سلطان محمد شاہ کے دور میں) افغانوں (کے سردار میر اویس) کی شورش ایران پر (ہوئی) جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ (ایران میں) نادر شاہ پیدا ہوا اور اس نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کا اشارہ خواب میں موجود ہے۔ پھر مرہٹوں کا غلبہ ہوا۔ یہ بھی خواب میں ہے۔ پھر پانی پت (کے محاذ) پر مرہٹوں کو ذبح کرنا، یہ آخری بات ہے۔

ہم نے اسی واقعے کی بنا پر (شاہ صاحب کو) ''امام الانقلاب'' کہنا شروع کر رکھا ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک بھی اس کے بعد کی ہے، جو مکہ میں ظاہر ہوئی اور فرانس کا انقلاب بھی اس کے بعد کا ہے۔ شاہ صاحبؒ کا مجوزہ اقتصادی پروگرام موجودہ تمام اقتصادی پروگراموں سے بہتر ہے۔ پس یورپ اور ایشیا میں جتنے بھی اقتصادی پروگرام چلانے کے لیے انقلابات ہوئے، وہ سب کے سب شاہ صاحبؒ کے مجوزہ انقلاب سے کم درجے کے ہیں۔''(9)

(ج) امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی افکار و نظریات

حرمین شریفین میں قیام کے دوران شاہ صاحبؒ نے جو فیوض و برکات حاصل کیے تھے، انھیں آپؒ نے اپنی کتاب ''**فیوض الحرمین**'' میں بیان کیا ہے۔ اس میں انھوں نے فلسفہ، سیاست اور اجتماعیت سے متعلق وہ تمام فوائد جمع کر دیے، جو ان کے آئندہ ہونے والے تمام کاموں کی بنیاد اور اساس قرار پائے۔ اس کے بعد ہی امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے مکمل نظامِ فکر و عمل کو مربوط بنایا، خیالات اور فکر کو منظّم کیا اور عقلی اور شرعی حوالے سے اس کے دلائل جمع کیے۔ اور کفر و ظلم کے نظام کے خاتمے کے لیے عملی جدوجہد کے لیے سوچنا شروع کر دیا۔ حرمین شریفین سے واپس دہلی آ کر اسی کی روشنی میں آپؒ نے اپنی علمی، فکری اور عملی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔

ہر سیاسی تحریک عملی اقدام سے پہلے اپنے فلسفہ و فکر کا تعین کرتی ہے اور اس فکر کی اساس پر اپنے نظریات کو منظّم اور مربوط انداز میں پیش کرتی ہے۔ اور اس پر ایک تربیت یافتہ جماعت تشکیل دیتی ہے۔ پھر اس جماعت کے لیے عملی اقدامات تجویز کیے جاتے ہیں۔ اس طرح تحریک منزل بہ منزل آگے بڑھتی ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھی حرمین شریفین میں رہتے ہوئے اپنے فلسفہ و فکر کا تعین کیا، اور اس پر اپنے نظریات کو مربوط کیا۔ اور واپس آ کر مسلسل غور و فکر کے نتیجے میں اپنے فکر و فلسفے کی شاہ کار کتابیں ''**حُجّةُ اللّٰه البالغه**''، ''**البُدور البازغه**''، ''**التّفهيمات الإلٰهيه**''، ''**الخير الكثير**'' اور ''**إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**'' وغیرہ لکھیں۔ جس میں اپنے تمام نظریات و افکار کو مربوط انداز میں قرآن و سنت کے دلائل کے ساتھ پیش کیا۔ خاص طور پر اپنے سیاسی افکار و نظریات کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور خلافتِ راشدہ کے اسوۂ حسنہ کی روشنی

میں اپنی ان تصانیف میں بڑے واضح انداز میں پیش کیا۔

سیاسی حوالے سے شاہ صاحبؒ کے افکار ونظریات کے اہم نکات درجِ ذیل ہیں:

(i) ''سیاست'' کا حقیقی مفہوم اوراس کی جامع تعریف

سب سے پہلے ''سیاست'' کے حوالے سے شاہ صاحبؒ کے نظریات کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ آپؒ نے بڑی جامعیت کے ساتھ سیاست کا مفہوم اوراس کی جامع تعریف بیان کی ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت واضح کی ہے۔ چناں چہ **''حُجّةُ اللّٰہ البالغہ''** میں **''باب سیاسة المدینہ''** کا عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں:

''ہر ملک اور شہر میں بسنے والے تمام افراد کے درمیان اجتماعی روابط اور سماجی تعلقات ہوتے ہیں، اُن کی اجتماعی حالت پرغور وفکر کرنے کا نام ''سیاست'' ہے۔ کسی ملک اور شہر سے میری مراد ایک ایسی اجتماعیت ہے، جو اگرچہ بہت سے گھرانوں اور محلوں پرمشتمل ہو، لیکن اُن کے درمیان باہمی سماجی معاملات جاری ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی خطے میں بسنے والے لوگوں کے درمیان باہمی رابطوں کی وَجہ سے ہر ملک اور شہر اپنا علاحدہ ایک تشخص اور ایک ہیئتِ اجتماعیہ رکھتا ہے۔...

ہر ملک ایک بڑی اجتماعیت اور ہیئتِ ترکیبیہ کا حامل ہوتا ہے، وہاں ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ تمام لوگ ازخود عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے اور اس کی حفاظت پرمتفق ہوں، اور نہ ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ بغیر کسی حکومتی طاقت کے تمام افراد کو کسی نظم و ضبط میں لایا جاسکے۔ اس طرح تو تمام طبقوں کے درمیان بڑے جھگڑے شروع ہوجائیں گے۔ اس لیے ملک کی اجتماعیت کو منظّم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسے آدمی کی سربراہی میں حکومت قائم کی جائے، جسے جمہور سمجھ دار اور عقل مند لوگوں کی حمایت حاصل ہو۔ اس حکومت کے پاس افرادی قوت اور بھرپور طاقت ہونی چاہیے۔ ہر وہ ملک، جس میں بخیل سرمایہ پرست، بات بات پر جھگڑے اور قتل کرنے والے لوگ موجود ہوں، اُس ملک کو سیاست کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔''(10)

(ii) سیاسی اجتماعیت کی اہمیت اور جماعتی وحکومتی نظم وضبط کے طریقے

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کسی ملک کے سیاسی نظام کے لیے ایک حکومت کے قیام کو لازمی قرار دیا ہے۔ اوراس کے لیے ضروری قرار دیا ہے کہ سیاسی عقل وشعور رکھنے والی تربیت یافتہ سیاسی اجتماعیت اور جماعت موجود ہو۔ اگرچہ حکومت اور جماعت کی سربراہی کے لیے ایک فرد کا ہونا ضروری ہے، لیکن سوسائٹی کے سمجھ دار اور عقل مند جمہور لوگوں پر مشتمل جماعت کی جانب سے اس کی حمایت لازمی ہے۔ اور اگر سربراہی کے لیے تمام خصوصیات کا حامل مناسب فرد (امام الحق) موجود نہ ہوتو پھر ہر اجتماعیت اپنی جماعتی طاقت کے ذریعے سے نظم وضبط قائم کرے۔ چناں چہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''انسانی اجتماعیت کے تمام شعبوں کی نگرانی اور رہنمائی کے لیے جامعیت کے حامل ایک آدمی کی سربراہی کی ضرورت پیش آتی ہے، جو ''امام الحق'' ہوتا ہے، لیکن ایسا جامع فرد بہت کم پایا جاتا ہے۔ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ:

(الف) دو تین شعبے ایک آدمی کے سپرد کر دیے جائیں اور باقی شعبے دوسرے آدمی کے سپرد ہوں۔ اور ناقص معاشروں میں ایسا ہوتا ہے کہ ہر ایک شعبے کے لیے ایک طریقۂ کار مقرر کر دیا جاتا ہے۔

(ب) ہر ایک شعبے کا ایک سربراہ مقرر کر دیا جائے کہ لوگ اُس کی سربراہی میں کام کریں۔

(ج) قوم کے عقل مند اور منتخب لوگوں کی ایک اجتماعیت (پارلیمنٹ) ملک کا نظام چلائے۔''(11)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اس عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہم آج کی زبان میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ:

ایک حقیقی امام (حکمران) کو، جو ڈکٹیٹر بن سکے، پیدا ہونا آسان نہیں۔ اُس کے نہ ملنے پر حاکم (سربراہ) بنانے کے لیے اُن تین صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنا پڑتا ہے:

ا۔ ایک بورڈ بنا دیا جائے۔

۲۔ اگر محدود سوسائٹی ہو تو اس کا ہر ایک حصہ اپنے مُسلَّم (تسلیم شدہ) قانون پر اپنے مُسلَّم رئیس (تسلیم شدہ سربراہ) کی اطاعت میں قومی قانون کی پابندی کرے گا۔ یعنی سوسائٹی کو حکومت بنانے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ اُن میں اس قسم کے اختلافات پیدا ہی نہیں ہوتے، جو امام بنانے کے لیے مجبور کر دیں۔

۳۔ یا عقل مندوں یا عوام کے مقبول لوگوں کا اجتماع ہوگا، یعنی پارلیمنٹ بن جائے گی۔

امامت (سیاست) کے مسئلے میں اس قدر تفصیل، جس میں ڈکٹیٹر، بورڈ، سوسائٹی، پارلیمنٹ سے بحث کی جائے، ہم نے امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے سوا کسی اور محقق کی کتاب میں نہیں دیکھی۔''(12)

(iii) ہندوستانی سماج میں سیاسی حکمرانوں کی خرابیوں کی نشان دہی

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ہندوستان کے سیاسی نظام میں جو خرابیاں پیدا ہوئی تھیں، اُن کا بھی مکمل ادراک کیا اور ان کے خلاف بڑی توانا آواز بلند کی۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ نے ''التفهيمات الإلٰهيه'' میں سوسائٹی کے مختلف طبقات کی خرابیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے سیاسی حکمرانوں کے بارے میں لکھا ہے:

''میں اُمرا اور حکمرانوں سے کہتا ہوں: کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے:؟ تم دنیا کی فانی لذتوں میں مشغول ہو اور تم نے عوام کو چھوڑ دیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچاتے رہیں۔ کیا اعلانیہ شرابیں نہیں پی جا رہیں، اور تم انھیں نہیں روکتے! کیا زِنا اور جوئے خانوں کے لیے بڑی بڑی عمارتیں نہیں بنائی جا رہیں، اور تم انھیں تبدیل نہیں کرتے! تم جسے کمزور دیکھتے ہو، اُسے کھا جاتے ہو اور جسے طاقت ور دیکھتے ہو، چھوڑ دیتے ہو۔ تمھاری سوچ اور فکر صرف اس میں ہے کہ تم اچھے اور لذیذ کھانے کھاؤ۔ تمھارے دماغ پر خوب صورت عورتیں، عمدہ کپڑے اور گھر سوار ہیں۔ تم ایک لمحے کے لیے بھی اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے اور جو کچھ اللہ کا نام لیتے بھی ہو، وہ محض تمھاری زبانوں کی حکایات نقل ہیں۔

میں بادشاہوں سے کہتا ہوں: اس زمانے میں ملاءِ اعلیٰ کی مرضی یہ ہے کہ تم تلواریں نکال لو اور اُس وقت تک

آرام سے نہ بیٹھو، جب تک کہ حق و باطل کے اندر فرق و اِمتیاز نہ ہوجائے۔ اور ظالم و کافر لوگ کمزور نہ پڑ جائیں۔ اور جب حق کا غلبہ ہوجائے تو پھر ہر ایک علاقے میں ایک ایسا عدل و انصاف قائم کرنے والا امیر مقرر کرو، جو ہر مظلوم کا حق ظالم سے دلوا کر رہے۔ اور وہ اللہ کی حدود و قوانین کو قائم کرے۔ اور وہ اس بات کی پوری جدوجہد اور کوشش کرے کہ اُن کے علاقے میں کوئی بغاوت، کوئی لڑائی، کوئی بڑا گناہ سرزد نہ ہو۔ وہ اسلام کو پھیلائیں اور اس کے شعائر کو غالب کریں۔ اور اس امیر کے پاس اتنی طاقت و قوت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے علاقے کی تعمیر و ترقی کو درست خطوط پر آگے بڑھائے۔''(13)

اس طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنے سیاسی فکر و عمل اور انقلاب کے بنیادی اصول متعین کر دیے۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''**حجة اللّٰه البالغه**'' میں اس انقلاب کے بنیادی اصول مقرر کر دیے تھے۔ اور ''**تفهيماتِ الٰهيه**'' میں ہندوستانی اجتماع (سماج) میں موجود ہر جماعت اور گروہ کو آپؒ نے تنبیہ کی۔''(14)

(iv) سیاست و خلافت کی حقیقت اور ذمہ داریاں

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سیاست و خلافت کی حقیقت و ماہیت اور اس کی ذمہ داریوں کو واضح کرنے کے لیے ''**ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء**'' لکھی۔ جس میں خلافتِ راشدہ کے بنیادی سیاسی اصولوں کی نشان دہی کی۔ اس سے پہلے ''**فيوض الحرمين**'' میں خلافت اور سیاست کی دو قسمیں بھی بیان کیں: خلافتِ ظاہرہ اور خلافتِ باطنہ۔ اور ان کے فرائض اور ذمہ داریوں کی نشان دہی کی ہے۔ اس حوالے سے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام ولی اللہ نے ''**فيوض الحرمين**'' میں خلافت کی دو قسمیں بتائیں:

(i) خلافت ظاہرہ　　(ii) خلافت باطنہ (15)

(الف) ''خلافت باطنہ'' میں امام ولی اللہ، حکومت کا وہ درجہ شامل مانتے ہیں جو تعلیم اور دعوت کے زور سے پیدا ہوتی ہے۔ امام ولی اللہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس قسم کی حکومت اسلام نے قرآن عظیم کی دعوت کی تنظیم سے مکہ معظّمہ میں پیدا کر لی تھی۔ اس کا ذکر (قرآنِ حکیم کے فارسی ترجمے) ''**فتح الرّحمٰن**'' میں ''**سورت رعد**'' کے آخر میں اور ''**فيوض الحرمين**'' میں موجود ہے۔(16)

(ب) امام ولی اللہ ''خلافتِ ظاہرہ'' کے لیے محاربہ (دشمن قوتوں سے لڑائی) ضروری قرار دیتے ہیں۔ ملک کا خراج (ریونیو) بہ زور وصول کر کے مستحقین کو پہنچانا' (انھیں) مصارفِ عامہ میں خرچ کرنا اور عدالت کا نظام بزور قائم کر کے مظلومین کی حمایت کرنا' اس کے اہم اجزا ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ یہ ''خلافت'' اسلام کے مدنی (مدینہ منورہ) دور میں پیدا ہوئی۔

(ج) ''**قول الجميل**'' اور ''**فيوض الحرمين**'' بار بار پڑھنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے۔ امام ولی اللہ اپنے خاندان

میں تصوف کا سلسلہ اس لیے قائم کرتے ہیں۔ کہ وہ ''خلافت ِباطنہ'' کے قیام کا وسیلہ بن جائے۔ مولانا (محمد اسماعیل) شہیدؒ جب امیر شہید کی فوجی طاقت کا ان کے محاربین (مخالفین) سے مقابلہ کرتے ہیں تو امیر شہید (سید احمد شہیدؒ) کے مبایعین (بیعت کرنے والوں) کو ''سپاہی'' کا درجہ دیتے ہیں۔ یہ اسی اصطلاح پر منطبق ہوسکتا ہے۔''(17)

اسی طرح ''ازالة الخفاء عن خلافة الخُلفاء'' میں کل انسانیت کے لیے اسلام کے ترقی یافتہ سیاسی پروگرام کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحبؒ نے چند اہم نکات کی نشان دہی کی ہے۔ ان کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام ولی اللہ (دہلویؒ) ''خیر القرون'' کو شہادت عثمانؓ تک (جو مبعث سے ۴۸ سال بعد واقع ہوئی) محدود کر دیتے ہیں۔(18)

(الف) اسی زمانہ کو وہ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ(19) (وہی ہے، جس نے بھیجا اپنا رسول راہ کی سوجھ دے کر اور سچا دین کہ اس کو اوپر کرے سب دینوں کے۔) کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ ''ازالة الخفاء'' کے ابتدائی مباحث میں اس آیت کی تفسیر پورے غور سے پڑھنی چاہیے۔ امام ولی اللہ کی حکمت کا یہ مرکزی مسئلہ ہے۔(20)

(ب) امام ولی اللہ (دہلویؒ) اس دور کے علمی و عملی کارنامے مسلمانوں کے مشورہ اور اتفاق سے جاری مانتے ہیں (یہ فکر، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی کتابوں میں بھی ملتا ہے)۔ اسی زمانے کو وہ نزولِ قرآن کے مقاصد کا نمونہ مانتے ہیں۔

(ج) امام ولی اللہ (دہلویؒ) ''حجّةاللّٰه البالغه'' میں اس دور کو انسان کی نیچرل ترقی کا آخری درجہ ثابت کرتے ہیں۔ ''باب الحاجة الٰی دین ینسخ الأدیان'' (21) کو غور سے پڑھنا چاہیے۔''(22)

(v) ولی اللّٰہی نقطہ نظر سے انقلاب کی نبویؐ حکمتِ عملی

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حجّةاللّٰه البالغه'' کے ''باب الحاجة الٰی دین ینسخ الأدیان'' میں بین الاقوامی سیاسی انقلاب برپا کرنے کے حوالے سے نبی اکرمؐ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے جن امور کا تذکرہ کرتے ہیں، ان میں تین اہم امور درجِ ذیل ہیں:

1۔ لوگوں کو دینِ اسلام کے اعلیٰ نظریے کی دعوت دے کر ایک جماعت کی تعلیم و تربیت اور تیاری کرنا۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:

''أن یدعو قوماً إلٰی السّنّة الرّاشدة و یزکّیهم و یصلح شانهم، ثم یتّخذهم بمنزلة جوارحه، فیجاهد به أهل الأرض، و یفرّقهم فی الآفاق، و هو قولهٗ تعالیٰ: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ''(23)

(وہ نبی ایک قوم کو صحیح اور سیدھے راستے کی دعوت دیں اور اُن کے دلوں کا تزکیہ کریں، اور تربیت دے کر اُن کی

www.rahimia.org

حالت کو درست کریں۔ پھر انھیں اپنا دستِ راست بنا کر زمین میں انسانیت دشمنوں سے جہاد کریں اور انھیں پوری دنیا میں پھیلا دیں۔ یہی تقاضا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا کہ:

''تمھیں انسانیت کے فائدے کے لیے بہترین اُمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔'')

2۔ اس جماعت کی تعلیم و تربیت میں خلافتِ عامہ یعنی عوامی حکومت چلانے کی اہلیت پیدا کرنا۔ چناں چہ شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''أن یکون تعلیمہ الدّین إیّاھم مضموماً إلیٰ القیام بالخلافۃ العامّۃ.'' (24)

(نبی اکرمؐ کی اپنے صحابہؓ کو دین کی تعلیم و تربیت میں یہ بات شامل تھی کہ اُس کے ذریعے سے عوامی حکومت قائم کی جائے۔)

3۔ دینِ اسلام کو دنیا کے تمام ادیان اور نظاموں پر غالب کیا جائے۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''أن یّجعل ھذا الدّین غالباً علیٰ الأدیان کلّھا، و لا یترک أحداً إلاَّ قد غلبۂ الدّین بعِزّ عزیز و ذُلّ ذلیل.'' (25)

(اس دین کو تمام ادیان اور نظاموں پر غالب کر دیا جائے۔ اور کوئی آدمی بھی ایسا نہ رہے کہ اُس پر دین غالب نہ ہو۔ خواہ وہ عزت سے دین قبول کرے یا ذلت کے ساتھ اس کے سیاسی نظام کو قبول کرے۔)

شاہ صاحبؒ کے بیان کردہ ان اصولوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک انقلابی جماعت تیار کر کے اپنے امور سرانجام دینے کے لیے اپنی دستِ راست بنائی۔ اور پھر اس جماعت کی تعلیم و تربیت خلافتِ عامہ قائم کرنے کے اصول پر کی۔ اور پھر اس جماعت کے ذریعے سے دینِ اسلام کو دنیا کے تمام نظاموں پر غالب کیا۔

(v) سیاسی حوالے سے انقلابی جدوجہد کا اعلان

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ہندوستانی سماج کی سیاسی خرابیوں کی نشان دہی کی اور بتلایا کہ جب انفرادی مفادات کے حامل افراد ــــ جنھیں شاہ صاحبؒ نے ''أھـل الآراء الجُزئیّۃ'' کہا ہے ــــ سوسائٹی پر مسلط ہو جائیں تو معاشرے میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ ایسے موقع پر مفادِ عامہ کے حقوق کے محافظ اور اجتماعیت کی ترقی کی رائے رکھنے والے لوگ ــــ جنھیں شاہ صاحبؒ نے ''أھـل الآراء الـکُـلّیّۃ'' کہا ہے ــــ پر لازم ہے کہ وہ اس فساد کو ختم کرنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔ اُن پر یہ واجب ہے کہ وہ حق کو غالب کرنے اور باطل نظام کو ختم کرنے کے لیے پوری جدوجہد اور کوشش کریں۔

چناں چہ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ:

''وَیَجِبُ بَذْلُ الْجُھْدِ عَلٰی أھْلِ الْآرَاءِ الْکُلِّیَّۃِ فِیْ إشَاعَۃِ الْحَقِّ وَتَمْشِیتِہٖ، و إخْمَالِ الْبَاطِلِ وَصَدِّہٖ، فَرُبَمَا لَمْ یُمْکِنْ ذٰلِکَ إلَّا بِمُخَاصَمَاتٍ، أوْ مُقَاتَلاتٍ فَیُعَدُّ کُلُّ ذٰلِکَ مِنْ أفْضَلِ اَعْمَالِ الْبِرِّ.'' (26)

(اجتماعی مفادِ عامہ کی رائے رکھنے والوں پر واجب ہے کہ وہ حق کو پھیلانے اور اُسے معاشرے میں غالب کرنے،

www.rahimia.org

نیز باطل نظام کا زور توڑنے اور اس کا راستہ روکنے کے لیے اپنی تمام تر جدوجہد خرچ کر ڈالیں۔ اور بسا اوقات ایسا اُس وقت تک ممکن نہیں ہوتا، جب تک کہ مخالفین کو بحث و مباحثے کے ذریعے یا جہاد و قتال کے ذریعے سے شکست نہ دی جائے۔ اس موقع پر ایسے تمام کام، نیکی کے تمام کاموں سے زیادہ افضل شمار کیے جاتے ہیں۔)

(د) حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا انقلابی اور سیاسی کردار

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے نہ صرف سیاسی حوالے سے افکار و نظریات پیش کیے، بلکہ اپنی زندگی میں انھوں نے ایک ایسا عملی سیاسی کردار ادا کیا، جس کے اثرات و نتائج برعظیم پاک و ہند کے معاشرے پر بڑے دور رَس اور گہرے مرتب ہوئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے سیاسی اور انقلابی کاموں کا جائزہ لیا جائے تو وہ درج ذیل ہیں:

(i) حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ: ''امامِ انقلاب''

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے انھی افکار کی وَجہ سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ آپؒ کو ''امامِ انقلاب'' قرار دیتے ہیں۔ اس کی حقیقت واضح کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہم نے یورپین انقلابی پارٹیوں کے نظام کا کافی مطالعہ کیا ہے۔ اس سے ہمارے دماغ میں سیاسی پروگرام بنانے اور سمجھنے کا ملکہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہم اگر امام ولی اللہ کی ''خلافتِ باطنہ'' کے فکر کو آج کے سیاست دانوں کے سامنے پیش کریں گے تو اسے ایسی انقلابی پارٹی کا نام دیں گے، جو عدم تشدد (Non violence) کی پابند ہو۔''(27)

ہمارا خیال ہے کہ اس دور کی علمی و عملی تاریخ جس قدر امام ولی اللہ نے ضبط کر دی ہے وہ ہمیں کسی مصنف کی کتاب میں نہیں ملتی، اسی لیے ہم امام ولی اللہ کی کتابیں ''بیت الحکمت'' میں پڑھانا چاہتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ امام ولی اللہ (دہلویؒ) قرآن عظیم کی اس علمی اور عملی تعلیم کو انسانیت عامہ کے لیے انٹرنیشنل انقلابی پروگرام مانتے ہیں۔ اس لیے ہم اس دور میں انھیں اپنا امام مانتے ہیں۔

اگر ''کیپٹل''(Das Capital) کے مصنّفین (Karl Marx & Friedrich Engles) کو انقلاب کا باپ مانا جاتا ہے تو جس حکیم (امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) نے ''خیر القرون'' (دینِ اسلام کے ابتدائی زمانے) کی انقلابی تاریخ کو ہند کی علمی زبان میں عام عقلی اصول کے مطابق بنا کر ضبط کر دیا ہے، اسے ''امامِ الإنقلاب'' ماننا خوش اعتقادی پر مبنی نہیں سمجھا جائے گا۔ جب کہ اس نے (فلسفہ وحکمت کے ذریعے سے حضرت) یوسفؑ کی طرح انقلاب کا راستہ بھی صاف کر دیا ہو۔ (28) امام ولی اللہ نے دعویٰ کیا ہے کہ خدا نے انھیں یوسف علیہ السلام کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے مفطور (پیدا) کیا ہے: (29)

(الف) یعنی وہ امتِ محمدیہ میں وہی کام کریں گے۔ جو یوسف علیہ السلام ملتِ اسرائیلیہ میں کر چکے ہیں۔

(ب) ہم جانتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے ایک غیر اسرائیلی بادشاہ سے اختیارات حاصل کر کے اولادِ یعقوبؑ کی حکومت کا اساس قائم کر دیا تھا۔ اسی یوسفی حکومت کی ایک برکت ہے کہ وہ بنی اسرائیل کو اپنی حکومت قائم کرنے

www.rahimia.org

کے لیے تیار کر گئے۔''(30)

حضرت یوسف علیہ السلام نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیمات کی اساس پر ایسی حکمتِ عملی اختیار کی، جس سے انھوں نے مصر میں اپنی حکومت قائم کی۔ اس طرح بنی اسرائیل میں اپنی قومی حکومت قائم کرنے کا راستہ ہموار ہوا۔ اسی طرح حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اُمتِ محمدیہؐ کے آخری دور میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی تجدید کر کے عالمی سطح پر اُس کے غلبے کی حکمتِ عملی اور طریقۂ کار واضح کیا۔ اور اس طریقۂ کار کے مطابق ایک تربیت یافتہ جماعت تیار کی۔

(ii) سیاسی جماعت کی تشکیل اور اس کی تربیت

سب سے پہلا سیاسی کام شاہ صاحبؒ کا یہ ہے کہ انھوں نے اپنے علوم و افکار پر ایک سیاسی اجتماعیت تشکیل دی۔ اپنے افکار ونظریات کی تعلیم دے کر ایسے افراد تیار کر دیے، جنھوں نے آگے چل کر اہم ترین کردار ادا کیا۔ آپؒ کے تربیت یافتہ حضرات پر مشتمل اس دینی سیاسی جماعت نے پورے ہندوستان میں ان افکار ونظریات کی دعوت دی۔ عوامی طاقت پیدا کی اور پھر آگے چل کر ایک ایسی تحریک برپا کی، جس نے ہندوستانی سماج کو بہت زیادہ متأثر کیا۔ اور اپنی اجتماعی طاقت سے حکومت قائم کی۔ آپؒ کی تربیت یافتہ جماعت کے بارے میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''حکیم الہندؒ نے اپنے پروگرام کی تدوین کے ساتھ اپنے رُفقا کی مرکزی جماعت بھی تیار کی، جو تعلیم و ارشاد کے ذریعے سے انقلابی تحریک کی اشاعت، ایک طرف صوفیا اور علما میں اور دوسری طرف امرا اور اولیائے دولت (حکومتی لوگوں) میں کرتی رہی۔ اُن میں سے مولانا محمد عاشق پھلتیؒ، مولانا نوراللہ بڈھانویؒ، مولانا محمد امین کشمیریؒ (ولی اللّٰہی) مشہور ہیں۔ اس کے بعد آپ نے مرکزی جمعیت کی شاخیں اطرافِ مملکت میں قائم کرائیں:

(الف) نجیب آباد کا مدرسہ

(ب) اور (شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ کی جگہ) دائرہ (تکیہ) شاہ علم اللہ (رائے بریلی) حکیم الہندؒ کی انقلابی تحریک کے مرکز تھے۔

(ج) سندھ میں ملا محمد معین (ٹھٹھویؒ) کا مدرسہ ٹھٹھہ اِن کا ایسا مرکز تھا، جس سے مشہور عارف شاہ عبداللطیف بھٹائیؒ بھی خصوصی تعلق رکھتے تھے۔''(31)

اسی طرح مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں:

''امام ولی اللہ کی اپنی صحبت سے **راسخین فی العلم** (علم میں رسوخ رکھنے والے) کا ایک مختصر سا طبقہ تیار ہوا، جس کے سرکردہ حضرات مذکورہ بالا (یعنی مولانا محمد عاشق پھلتیؒ، خواجہ محمد امین کشمیریؒ اور مولانا نوراللہ بڈھانویؒ) تھے۔ انھیں کے ذریعے شاہ صاحبؒ کے علوم محفوظ ہوئے اور آگے پھیلے۔ اسی کے ساتھ شاہ صاحبؒ کے شاگردوں میں ایک دوسرا طبقہ بھی پیدا ہوا، جس میں اُن کی اولاد بھی داخل ہے۔ امام عبدالعزیز ہر دو کے مسلمہ امام ہیں۔''(32)

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی تیار کردہ جماعت کی یہ نمایاں شخصیات ہیں۔ ان کے علاوہ بھی شاہ صاحبؒ کے

www.rahimia.org

شاگردوں اور تربیت یافتہ حضرات کی تعداد سینکڑوں، ہزاروں میں ہے۔ جن حضرات کو شاہ صاحبؒ نے خلافت اور اجازت دی ہے، اُن میں آپؒ کے چھوٹے بھائی حضرت شاہ اہل اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۸۸ھ/1774ء)، حافظ عبدالرحمٰن بن حافظ نظام الدین ٹھٹھویؒ، شیخ محمد عابد بن علاؤالدین پھلتیؒ، میاں محمد شریف بن خیراللہ بن عبدالغنی سندھیؒ (ساکن اگھمان کوٹ، ٹھٹھہ، سندھ) اور شیخ شرف الدین محمدؒ کے اسمائے گرامی ہیں۔ (33) ان کے علاوہ بھی شاہ صاحبؒ کے دیگر تلامذہ میں حافظ جاراللہ بن عبدالرحیم لاہوریؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ، بابا فضل اللہ کشمیریؒ، حضرت شاہ ابوسعید رائے بریلویؒ، بابا محمد عثمان کشمیریؒ، نواب رفیع الدین خان مرادآبادیؒ، شیخ بدرالحق پھلتیؒ اور حضرت شاہ محمد نعمان رائے بریلویؒ، سید مرتضٰی زبیدی بلگرامیؒ وغیرہ حضرات ہیں۔ (34)

(iii) شاہ صاحبؒ کی سیاسی حکمتِ عملی اور اقدامات

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ مغلیہ سلطنت کی کمزوریوں اور خرابیوں کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔ اُن کے نقطۂ نگاہ سے اس سلطنت کے نظام میں اتنی خرابی پیدا ہو چکی تھی کہ شاہ صاحبؒ کے الفاظ میں:

''سلطنتِ دہلی بہ منزلہ لعبِ صبیان گشت'' (35)

(دہلی کی حکومت اور سلطنت بچوں کا کھیل بن چکی ہے۔)

شاہ صاحبؒ دہلی کے تعیش پسند حکمرانوں کو قیصر و کسریٰ کا نمونہ جانتے تھے، لیکن اس سب کے باوجود سیاسی شعور کا تقاضا یہ تھا کہ سوسائٹی کے معروضی حقائق کو سامنے رکھ کر سیاسی حکمتِ عملی تشکیل دی جائے۔

شاہ صاحبؒ نے اس حوالے سے جو حکمتِ عملی ترتیب دی، اُس کا پہلا حصہ تو اپنے علوم و افکار پر تربیت یافتہ جماعت کی تشکیل کی جدوجہد اور کوشش کرنا تھا، لیکن جب تک جماعت منظّم ہو، اُس وقت تک سلطنتِ دہلی کے اِردگرد جو خطرات منڈلا رہے تھے، انسانیت ذبح ہو رہی تھی، ظلم و ستم کا بازار گرم تھا، اُس کا مقابلہ کرنے کے لیے اُسی نظام میں موجود بہتر صلاحیتوں کے حامل اُمرائے سلطنت کو شاہ صاحبؒ نے جھنجھوڑا۔ اور انھیں اس بات پر اُبھارا کہ وہ اس ظلم و ستم کو ختم کرنے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔

اس سلسلے میں شاہ صاحبؒ کی نظر افغان سرداروں احمد شاہ ابدالی اور نواب نجیب الدولہ پر پڑی۔ اس لیے کہ شاہ صاحبؒ کا سیاسی تجزیہ یہ تھا کہ اس زمانے میں حکومت کی صلاحیت و استعداد افغانوں میں پائی جاتی ہے۔ چناں چہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں:

''والدّولة بحسب الظّاهر ينقسم علٰى شعوب النّاس لكلّ فى زمانٍ، و كان للحِجاز، ثمّ للعِراق، ثمّ لأهل الفارس، ثمّ لأهل الهِند، و رجع اليوم إلٰى الأفاغنه.'' (36)

(ہر ایک زمانے میں ظاہری طور پر حکومت کرنے کی اہلیت انسانی جماعتوں میں پائی جاتی رہی ہے۔ سب سے پہلے حجاز (کے عربوں) کی حکومت تھی، پھر عراق والوں کی حکومت تھی، پھر اہل فارس (ایران) کی حکومت تھی، پھر ہندوستان والوں کی حکومت رہی، اور آج اس زمانے میں افغانیوں کے پاس حکومت کی صلاحیت چلی گئی ہے۔)

اسی کے پیشِ نظر شاہ صاحبؒ نے نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھے اور ان کے ذریعے سے فتنہ پرور قوتوں کے خاتمے کی جدوجہد اور کوشش کی۔ اس حوالے سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہمارا خیال ہے کہ امام ولی اللہ اپنے زمانے میں دلی کے بادشاہوں کو کسریٰ اور قیصر کا نمونہ جانتے تھے۔ اس

لیے ان کے سارے نظام کو بدلنا اپنا نصب العین بتاتے رہے، مگر عملی پروگرام فقط داخلی انقلاب سے شروع کیا تھا۔ وہ امرائے سلطنت میں اپنا فکر پھیلا کر نظامِ سلطنت درست کرنا چاہتے تھے۔

نجیب آباد کا مدرسہ اسی لیے حکمت امام ولی اللہ کی درس گاہ بن گیا تھا۔ مرہٹوں کی شورش کو وہ احمد شاہ (ابدالی) کے ذریعے سے ختم کرا دیتے ہیں۔''(37)

شاہ صاحبؒ نے جو خطوط لکھے، اُن میں بنیادی طور پر سوسائٹی میں موجود تمام افراد کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب سیاسی امن اور عدل و انصاف قائم کرنے کے لیے امرائے سلطنت کو اُبھارا گیا ہے۔ چناں چہ شاہ صاحبؒ نواب نجیب الدولہ کے نام اپنے خط میں لکھتے ہیں:

''ایک بات اَور کہنی ہے، وہ یہ کہ جب شاہی افواج کا گزر دہلی میں سے ہو تو اُس وقت پورا اہتمام کرنا چاہیے کہ دہلی پہلے کی طرح ظلم سے پامال نہ ہو جائے۔ دہلی والے کئی مرتبہ اپنے مالوں کی لوٹ اور اپنی عزت کی توہین اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ اسی وَجہ سے مطلوبہ مقاصد کے حصول میں تاخیر ہو رہی ہے۔ آخر مظلوموں کی آہ بھی تو اثر رکھتی ہے! اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ کام صحیح طور پر ہو تو پوری پوری تاکید کرنی چاہیے کہ کوئی آدمی دہلی کے مسلمانوں اور غیرمسلم ذمیوں سے ہرگز تعارض نہ کرے۔''(38)

اسی طرح شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کے نام اپنے خط میں ہندوستان کی سیاسی صورتِ حال اور مالیاتی نظام کی تفصیلات کا بڑا جامع نقشہ کھینچا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سیاسی اور اقتصادی امور پر شاہ صاحبؒ کو مکمل گرفت حاصل ہے۔ شاہ صاحبؒ نے ہندوستان کی اس حکومت کے اقتصادی بدحالی اور سیاسی بے چارگی کو بہت عمدہ انداز میں بیان کیا ہے۔ اُس سسٹم کو درست کرنے کے لیے جس طرح کے تدبر اور سمجھ داری کی ضرورت تھی، اس کی نشان دہی کی ہے۔ نیز ہندوستان میں بسنے والے کمزور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمانِ غنی اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہم کی آخری وصیتوں کا تذکرہ کیا ہے، جس میں انھوں نے تمام کمزور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔(39)

چناں چہ حضرت شاہ صاحبؒ کے انھی خطوط کی وَجہ سے احمد شاہ ابدالی نے آ کر ہندوستان میں ظالم مرہٹہ طاقت کا خاتمہ کیا۔ اور اس طرح مکہ مکرمہ میں ''فکِ کل نظام'' کے حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے جو خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر پوری ہوئی۔ چناں چہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''اس خواب کا مصداق اور اس کی تعبیر، جنوبی ہندوستان میں عیسائی دُشمنوں کا مرہٹوں کی قیادت میں ایک ملّی (مذہبی) تحریک کی صورت میں ظاہر ہونا ہے۔ اور بہت سی ہندوستانی ریاستوں کے مراکز پر ان کا تسلط حاصل کر لینا ہے، جیسے اجمیر وغیرہ۔ اور پھر مسلمانوں کا ان سے لڑائی لڑنا اور ان کو ''دہلی'' کے قریب واقع شہر ''پانی پت'' کے معرکے (1761ء) میں شکست دینا ہے۔''(40)

نیز مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ہم نے (برِعظیم کی مسلم تاریخ کے) دسویں دور کے دوسرے طبقے کا آغاز نادر شاہ کے ۱۱۵۱ھ (1738ء) میں ہندوستان پر حملے سے کیا ہے۔ اور اس دور کا اختتام ۱۱۷۴ھ (1761ء) میں ''پانی پت'' کے میدان میں مسلمانوں کی فتح پر کیا ہے۔ اس زمانے کا سیاسی تقاضہ **''فکّ کلّ نظام''** (ہر بوسیدہ نظام کا توڑنا) تھا اور ہر پُرانی تعمیر کو ختم کرنا تھا۔ کیوں کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت اور طاقت ختم ہوچکی تھی۔ اس لیے نئے اجتماع کے لیے رابطے پیدا کرنا ضروری تھا۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے **''حجّة اللّٰه البالغه''** میں اس انقلاب کے بنیادی اصول مقرر کردیے تھے۔ اور **''تفهیماتِ الٰهیه''** میں ہندوستانی اجتماع (سماج) میں موجود ہر جماعت اور گروہ کو آپؒ نے تنبیہ کی۔ اس کے نتیجے میں یہ اُمرا ہوش میں آئے اور جمع ہوکر ''پانی پت'' کے میدان میں دشمن سے جنگ لڑی۔''(41)

نیز مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''حکیم الہندؒ نے دہلی کی حکومت کے اشتراک سے اپنے پروگرام کا ایک حصہ مکمل کرلیا، وہ ہے ''معرکہ پانی پت''۔ پانی پت کا واقعہ حکیم الہند کے مذکورہ بالا خواب (**فکّ کلّ نظام**) کی تعبیر تھی۔ اس تعبیر کے دو برس بعد ۱۱۷۶ھ (1763ء) میں امام ولی اللہ نے وفات پائی۔''(42)

اس طرح امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بھرپور سیاسی جدوجہد اور کوشش کے ذریعے سے نہ صرف معروضی حقائق کے تناظر میں سیاسی اقدامات کیے، بلکہ ایک ایسی تربیت یافتہ جماعت تیار کردی، جس کے سربراہ، آپؒ کے صاحب زادے حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہوئے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے وصال کے بعد انھوں نے اس سیاسی تحریک کو آگے بڑھایا۔

5۔ امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا سیاسی فکر و عمل (1763ء تا 1824ء)

ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے دوسرے رہنما امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ہیں۔ آپؒ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے انتقال ۱۱۷۶ھ/1763ء کے بعد اس جماعت کے رہنما مقرر ہوئے۔ انھوں نے اپنی وفات 1824ء تک اپنے والدِ گرامی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار اور اُن کی برپا کردہ سیاسی تحریک کو آگے بڑھایا۔ اس طرح یہ زمانہ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے پہلے دور کا دوسرا مرحلہ ہے۔ اس عرصے میں یہ سیاسی تحریک اپنی جدوجہد کے اگلے مراحل میں داخل ہوئی۔

(الف) امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا تجدیدی کردار

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی شخصیت، اُن کی سیرت اور اُن کے تجدیدی کردار کو بیان کرتے ہوئے **''التّمهید لتعریف ائمّة التجدید''** میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز دہلویؒ امام تھے۔ اور انتہائی بردبار شخص تھے۔ اللہ نے آپؒ کو توفیق دی کہ آپؒ نے اپنے والد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے کو پھیلایا۔ آپؒ ۱۱۵۹ھ (1746ء) میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ پھر اپنے والد کے شاگردوں مثلاً شیخ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ اور شیخ محمد عاشق پھلتیؒ اور شیخ نوراللہ

www.rahimia.org

بڑھانوی دہلویؒ سے تعلیم حاصل کی۔ آپؒ شیخ محمد بن سنہ عمری متوفی ۱۱۸۶ھ (1772ء) کی جانب سے حاصل اجازتِ عامہ میں بھی شامل تھے۔ اور آپؒ مسلسل علوم و معارف کے فوائد کو پھیلانے اور اس کی تجدید میں اسی دن سے مشغول ہوگئے تھے، جس دن لوگوں نے آپؒ کو ۱۱۷۶ھ (1762ء) میں اپنے والد گرامی کی مسند پر بٹھایا تھا۔ یہاں تک کہ آپ کی ۱۲۳۹ھ (1824ء) میں وفات ہوگئی۔ آپؒ کا دور (برعظیم کی مسلم تاریخ کے) گیارھویں دور کے طبقہ اولیٰ کے اختتام پر ہے۔''(42)

اس حوالے سے مولانا سندھیؒ ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' میں لکھتے ہیں:

''جب امام ولی اللہ (دہلویؒ) فوت ہوئے تو مولانا عبدالعزیز (دہلویؒ) اُس وقت سترہ برس کے نوجوان تھے۔ ابھی طالبِ علمی سے بھی فارغ نہیں ہوئے تھے، مگر امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی جمعیت مرکزیہ نے مولانا عبدالعزیز (دہلویؒ) ہی کو حزبِ ولی اللہ کا رہنما (امام) ماننے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے وہ (جمعیتِ مرکزیہ) امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے طریقے پر مولانا عبدالعزیز (دہلویؒ) کی علمی تکمیل پر متوجہ ہوئے۔ مولانا محمد عاشق (پھلتی) اور مولانا محمد امین (ولی اللّٰہی کشمیریؒ) نے علمِ حدیث میں اور امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی انقلاب کے تحریک کے اصول میں، اور مولانا نوراللہ (جو مولانا عبدالعزیز کے خسر بھی تھے)، فقہ حنفی میں مولانا عبدالعزیز (دہلویؒ) کی تربیت مکمل کر کے انھیں امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے درجے تک پہنچا دیا۔

اسی زمانے میں امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے امام الانقلاب امیر المؤمنین علی بن ابی طالب **کرّم اللّٰہ وجہہٗ** کو خواب میں دیکھا۔ امیر المؤمنینؓ نے انھیں یقین دلایا کہ عام طور پر فقہا اور صوفیا کے مروّج طریقے اِفراط و تفریط سے خالی نہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مطابق وہی طریقہ صحیح ہے، جس کی امام ولی اللہ (دہلویؒ) دعوت دیتے ہیں۔ امیر المؤمنینؓ نے اُن کی قلبی کیفیت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ جسے امام عبدالعزیزؒ بیداری میں بھی اپنے اندر مستقر (برقرار) پاتے تھے۔ امیر المؤمنین نے انھیں پشتو (زبان) سیکھنے کی طرف توجہ دلائی۔''(43)

(ب) ولی اللّٰہی علوم و افکار کی امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے تشریح کی

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتابوں میں جو سیاسی افکار و نظریات پیش کیے تھے، حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اُن کی عام فہم انداز میں تشریح و تفصیل بیان کی ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے سب سے پہلے امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے علوم کو علمائے زمانہ کے اذہان تک پہنچانے کے لیے سلسلۂ تصانیف شروع کیا:

(الف) امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی تفسیر ''فتح الرحمٰن'' کو سمجھانے کے لیے ''**فتح العزیز**'' لکھی۔ ''**تفسیر عزیزی**'' ہر ایک عالم بہ آسانی سمجھ سکتا ہے، مگر یہ لوگ اس کو ''فتح الرحمٰن'' کے غوامض (مشکل مقامات) حل کرنے کا ذریعہ نہیں بناتے۔ اس لیے ''**الفوز الکبیر**'' کے اصول پر قرآن دانی مفقود (ختم) ہو رہی ہے۔ مثلاً ''(حروفِ)

مقطّعات'' کی جو تفسیر شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) لکھتے ہیں، اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اور ''**فتح العزیز**'' میں ''الٓمّ'' کی تفسیر پڑھنے کے بعد وہ چیز آسان ہوجاتی ہے۔ ''**فتح العزیز**'' میں عوام کی طبیعت کو جذب کرنے کے لیے اُن کے مسلمات (تسلیم شدہ باتوں) کے اَنبار لگے ہوئے ہیں۔ اُس میں بعض چیزیں (اگرچہ) حدیث کے فنِ تنقید کی رو سے غیر ثابت بھی آجاتی ہیں۔ کیوں کہ یہاں اُن کا مطلب (فنِ) تنقید سکھانا نہیں، بلکہ اپنے والد کی حکمت (فکر و فلسفے) کو عوام تک پہنچانا مقصود ہے۔ پس وہ حدیث غیر ثابت کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل بنا کر پیش نہیں کرتے، بلکہ اس جہت سے پیش کرتے ہیں کہ وہ اُن کے مخاطبین کا مسلمہ امر ہے۔

(ب) (انھوں نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب) ''**ازالة الخفاء**'' کا مقدمہ ''**تحفہ اثنا عشریہ**'' لکھا۔ شیعہ نے پہلے قرآن عظیم کی معرفت کو امام مہدیؑ کی آمد سے معلق بنایا۔ اُس کے بعد امام مہدیؑ کی آمد پر توہمات کے پردے ڈال دیے۔ اس طرح اُن کی دعوت، مسلمانوں کو قرآنِ عظیم کی برکاتِ عامہ سے محروم کرنے کا ایک ذریعہ بن گئی۔ ایرانی حکومت کی مسلسل کوشش سے فرقہ اثنا عشریہ نے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے زمانے میں شمالی ہند میں بھی اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ اُن کے مسموم پراپیگنڈے سے متوسط اذہان کو بچانے کے لیے ''تحفہ اثنا عشریہ'' لکھا گیا ہے۔ علمائے زمانہ ''**تحفه اثنا عشریه**'' کو مزے لے لے کر پڑھتے رہے، لیکن اُسے ''**ازلة الخفاء**'' سمجھنے کا واسطہ نہیں بنا سکے۔ چناں چہ جس مقصد کے لیے یہ کتاب لکھی گئی تھی، وہ پورا نہیں ہوا۔

(ج) امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے معارف میں ''**مؤطا امام مالک**'' کی اہمیت اَظھر **من الشّمس** (بالکل ظاہر) ہے۔ امام ولی اللہ (دہلویؒ) نے اُسے اپنے مذاق (ذوق) کے موافق نئی ترتیب سے مدوّن کیا ہے۔ جس کا نام ''**المسوّی من المؤطا**'' ہے۔ حدیث و فقہ میں یہی کتاب ''سراج الہند'' (حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) نے ''حکیم الہند'' (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ) سے پڑھی۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے اپنے خاندان کے نوجوانوں کی تربیت میں اُسے قرآن عظیم کے بعد اساسِ اوّل بنایا۔ اس طرح علما کو اس طرف متوجہ کیا۔ اس کتاب پر پوری توجہ کرنے سے فقہ حنفی میں محققین —— یعنی مجتہدِ منتسب جیسے محقق ابن الہمّام —— پیدا ہوتے ہیں۔''(44)

(ج) امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا سیاسی کردار

ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے فروغ میں یہ دور (1763ء تا 1824ء) بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دور میں امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے نہ صرف ایک مضبوط اور بہترین سیاسی جماعت تشکیل دی، بلکہ آپؒ کی تیار کردہ اس جماعت نے اپنی ایک قومی حکومت بھی قائم کی۔

(i) ہندوستان کی سیاسی حیثیت کا تعین اور فتویٰ ''دار الحرب''

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بعد 1803ء میں برعظیم پاک و ہند، انگریز سامراج کی غلامی میں آ گیا۔ ایسے مشکل حالات میں ہندوستان کی صحیح سیاسی حیثیت کا تعین کیا جانا بڑا ضروری تھا۔ حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنے ''فتویٰ دار

www.rahimia.org

الحرب'' کے ذریعے ہندوستان کی سیاسی حیثیت کا تعین کیا۔ اس طرح ایک قومی جدوجہد کی بنیاد رکھ دی۔ اس حوالے سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز حقیقت میں وہ پہلے امام ہیں، جنھوں نے امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے اصول پر ہندوستان میں قومی (جدوجہد پر مبنی) حکومت کی بنیاد ڈالی:

(الف) امام ولی اللہ (دہلویؒ) نے دہلی کے اعلیٰ طبقے کو اپنے علوم سے متعارف کرایا تھا۔ اور اُمرائے دولت (حکومت) کے اشتراک سے کسی قدر سیاسی کامیابی بھی حاصل کر لی تھی۔ جس سے اُن کا اجتماعی مرکز دہلی میں مستقر ہوگیا۔ اُسے پانی پت کے معرکے کا ایک نتیجہ سمجھنا چاہیے، لیکن نظامِ سلطنت کی بوسیدگی سے اراکین دربار میں صوبوں کی حکومت سنبھالنے والے تو پیدا ہوتے رہے، مگر مرکز کو بچانے کی اہلیت کسی میں پیدا نہ ہوسکی۔ اسی سبب سے چند ریاستوں کے ماسوا باقی حصصِ ہند (ہندوستان کے دیگر علاقوں) پر مسلمانوں کی حکومت برائے نام رہ گئی۔

(ب) امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے زمانے میں نادرشاہ نے ہند کے وہ صوبے جو دریائے سندھ کے غرب میں واقع ہیں (جیسے کابل، قندھار، ٹھٹھہ) ایران سے ملحق کر لیے تھے۔ اس سے پہلے قندھار کی افغانی حکومت جو میر اَویس سے شروع ہوئی تھی، وہ سلطان محمد شاہ کی سرپرستی مانتی تھی۔

نادرشاہ کے بعد احمد شاہ ابدالی نے صوبہ کشمیر و لاہور و ملتان بھی لے لیا۔ اس طرح چھ صوبے دہلی کی حکومت سے علاحدہ ہوگئے۔ ہم قندھار کی اس حکومت کو بھی ہندوستانی حکومت مانتے ہیں، جیسے حیدرآباد دکن کی حکومت ہندی (ہندوستانی) ہے۔

(ج) امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے زمانے میں کلکتہ سے دہلی تک انگریزوں کا معنوی تسلط ہوگیا تھا۔ دکن میں مرہٹے اور پنجاب میں سکھ، دہلی کی سلطنت مسلمانوں سے چھیننا چاہتے تھے۔ اِن کے مقابلے میں لکھنؤ، حیدرآباد، پھر میسور کی مسلم حکومتیں تھیں، جو سلطانِ دہلی کا احترام ملحوظ رکھتی تھیں۔

(د) امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے سب سے پہلے فتویٰ دیا کہ ہندوستان کے جس قدر حصے غیر مسلم طاقت کے قبضے میں جاچکے ہیں، اُن قطعات میں اگرچہ برائے نام سلطانِ دہلی کا دخل مانا جاتا ہو، تو بھی وہ سب کے سب ''دارالحرب'' ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ نظامِ حکومت جب متغلّب (غالب) طاقت کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو تو یہ فرض ملت پر عائد ہوتا ہے۔ ملت کا اس سے تغافل برتنا اور تقاعد (پیچھے ہوکر بیٹھ جانے کو) اختیار کرنا حرام ہے۔ بلکہ ہر ہر فرد پر واجب ہے کہ وہ اس غلبے کو ختم کرنے میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا ارادہ کرلے۔ پھر جیسے حالات پیش آتے رہیں، اسی لحاظ سے اپنا اجتماعی نظام قائم کرتا رہے۔

امام ولی اللہ (دہلویؒ) نے تو دہلی کے اعلیٰ طبقے کو اپنے علوم سے متعارف کرایا تھا، مگر امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے قوم کے متوسط طبقے کو بیدار کرکے عوام کو اس حقیقت سے آشنا کردیا۔ یہی قومی حکومت کی تاسیس (بنیاد رکھنا) ہے۔

www.rahimia.org

بفضلہٖ تعالیٰ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) اپنے مشن میں کامیاب رہے، جس سے وہ ''سراجُ الہند'' کہلائے۔''(45)

حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے فتویٰ ''دارالحرب'' دیا، جس میں ہندوستان کی سیاسی حیثیت کا تعین کیا گیا تھا۔ شاہ صاحبؒ کے ''فتاویٰ عزیزیہ'' میں ''دارالحرب'' کے فتوے کی عبارت اس طرح ہے:

''اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم قطعاً جاری نہیں ہے۔ اور عیسائی حکمرانوں کا حکم بغیر کسی رُکاوٹ کے جاری ہے۔ اور اِن حکمرانوں کے کفر وظلم پر مبنی احکام جاری ہونے کا مطلب یہ ہے کہ:

(الف) ملکی نظم ونسق، عوام کے حقوق کا بندو بست، مال گزاری اور ریونیو اکٹھا کرنا، تجارتی مال کے ٹیکس، سماج دشمن عناصر کی سرگرمیوں کی روک تھام کے ادارے، مقدمات کے فیصلوں اور تعزیرات کے عدالتی نظام پر یہ ظالم، حکمران بن کر بیٹھ گئے ہیں۔

(ب) اگرچہ اسلام کے بعض احکام، مثلاً جمعہ، عیدین اور اذان، قربانی وغیرہ پر انھوں نے کوئی پابندی ابھی تک نہیں لگائی، لیکن اصولی بات یہ ہے، ان چیزوں کی ان ظالم حکمرانوں کے نزدیک کوئی خاص اہمیت نہیں۔ اس لیے کہ یہ لوگ بے تکلف مساجد کو گرادیتے ہیں۔

(ج) کوئی مسلمان اور غیر مسلم ان کی اجازت کے بغیر اس شہر (دارالحکومت دہلی) اور گرد ونواح میں داخل نہیں ہوسکتا۔ البتہ یہ لوگ اپنے ذاتی مفادات کی وَجہ سے اس شہر میں آنے والے تاجروں اور دیگر مسافروں کے داخل ہونے کی مخالفت نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ اس علاقے کے بااثر لوگ، جیسے (نواب) شجاع الملک اور ولایتی بیگم وغیرہ بھی ان کی اجازت کے بغیر ان کے زیرِتسلط علاقوں میں داخل نہیں ہوسکتے۔

(د) اس شہر (دہلی) سے کلکتہ تک ظالم عیسائی حکمرانوں کا تسلط قائم ہے۔ البتہ انھوں نے دائیں بائیں کی چند ریاستوں، جیسے حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں اپنی سیاسی مصلحتوں اور ان کے حکمرانوں کی اطاعت کی وَجہ سے براہِ راست اپنا تسلط قائم نہیں کیا ہے۔''(46)

اسی طرح شاہ صاحبؒ اپنے ''فتاویٰ'' میں دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''محققین نے دارالحرب کی تعریف یہ کی ہے کہ کوئی مسلمان اور غیر مسلم ذمی امن وامان کی ایسی زندگی نہ گزار سکے، جو اِسے پہلے حاصل تھی۔ خواہ اسلام کے بعض شعائر ختم کردیے گئے ہوں یا نہ۔ مندرجہ بالا کی روشنی میں انگریزوں کے مقبوضہ تمام علاقے بے شک وشبہ دارالحرب ہیں۔ و اللّٰہ أعلم''(47)

''فتویٰ دارالحرب'' کا صحیح مفہوم بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز دہلویؒ کے فتویٰ (دارالحرب) کا اس کے علاوہ اَور کوئی مطلب نہیں تھا کہ ''مسلمان حکمران دشمن کا مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے ہیں۔ اب مسلمان ممالک میں دفاع کا فریضہ عام مسلمانوں کے جمہور لوگوں پر عائد ہوگیا ہے۔'' لیکن یہ مطلب فقہا کے کلام سے وہی سمجھ سکتا تھا، جو حکمتِ عملیہ میں ماہر ہو۔ اور فلسفۂ سیاسیات کا شعور رکھتا ہو۔ ہم نے ہندوستانی علما اور ہندوستان کے حکمرانوں میں سے کسی کو بھی نہیں دیکھا کہ انھوں نے امام شاہ ولی اللہ

www.rahimia.org

دہلویؒ اور ان کے والد شیخ الاجل حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے پہلے ان علوم وفنون کی طرف اس طرح توجہ دی ہو، جیسا کہ ولی اللّٰہی جماعت نے ان پر توجہ دی۔''(48)

(ii) انگریزوں سے عدمِ تعاون کا فتویٰ

حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے انگریز حکمرانوں کے ساتھ موالات اور دوستی یا ملازمت اختیار کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا، اس کے جواب میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''موالات اور دوستی اگر دینی حوالے سے ہو تو یہ بالاتفاق کفر ہے، اور اگر دنیا کے مفادات کے حوالے سے ہو تو حرام ہے۔...اگر ظالم کافر یہ چاہیں کہ مسلمان ان کے ساتھ مل کر کسی جنگ میں شریک ہوں، یا اہلِ اسلام کے کسی ملک اور شہر پر قبضہ کرنے کے لیے مسلمانوں کو ملازم رکھیں، تو ایسی نوکری اور ملازمت اختیار کرنا حرام ہے۔ اور بغیر کسی اُجرت کے بھی انھیں کمک پہنچانا اور ان کی مدد کرنا حرام ہے، بلکہ گناہِ کبیرہ ہے۔ اور اگر وہ آپس میں لڑائی لڑنے یا مال جمع کرنے یا ایسے ملک کا نظم ونسق چلانے کے لیے مسلمانوں کو ملازم رکھیں، جو اُن کے پاس پہلے زمانے سے چلا آ رہا ہے، ظاہری شرع کی روشنی میں اگرچہ جائز نظر آتا ہے، جیسا کہ باقی تمام معاملات، تجارت وغیرہ جائز ہوتے ہیں، لیکن گہرائی میں جا کر دیکھا جائے تو اس طرح کی ملازمت کرنا بھی حرام سے کم نہیں ہیں۔

خاص طور پر اس زمانے میں۔ اس لیے کہ اس دور میں اُن کی ملازمت کرنا بہت سے دینی مفاسد کا سبب ہے۔ کم از کم خرابی یہ ہے کہ اس طرح کی ملازمت اختیار کرنے سے اُن کے غلط اقدامات پر تنقید کرنے میں سستی اور کوتاہی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اُن سے خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اُن کی تعداد زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ اُن کی سیاسی شان و شوکت بڑھتی ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے۔ انھیں ''خداوند''، ''قبلہ'' اور ''صاحب'' کہنا پڑتا ہے اور حد سے زیادہ اظہارِ محبت کرنا پڑتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ بہت سی خرابیاں ہوتی ہیں۔''(49)

انگریز حکومت کے تسلط کے خلاف اس سے زیادہ واضح رائے اَور کیا ہوسکتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ہندوستان کی سیاسی حیثیت متعین کرنے کے ساتھ ساتھ ظالم حکومت کے ساتھ دوستی اور موالات کو ختم کرنے کے بارے میں واضح رائے کا اظہار کیا ہے۔ پھر انھی اصولوں کی روشنی میں آپؒ نے نئی سیاسی حکمتِ عملی تشکیل دی۔ اور اس کے لیے نوجوان طبقوں میں کام کیا اور اُن پر مشتمل ایک تربیت یافتہ جماعت تیار کی۔

(iii) نئی سیاسی حکمتِ عملی کی تشکیل

حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ہندوستان کے سیاسی نظام میں تبدیلی کے لیے جو حکمتِ عملی تشکیل دی تھی، حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے بدلتے دور کے تقاضوں کے مطابق اُس کو آگے بڑھاتے ہوئے نئے اقدامات تجویز کیے اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طرز پر سیاسی جدوجہد کو آگے بڑھایا۔ چناں چہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''نادر شاہ کے حملے کے بعد دہلی کی سلطنت میں جو ضعف پیدا ہوا، اس نے دو مقامی طاقتوں کو زندہ کر دیا:

www.rahimia.org

(۱) مرہٹے اُٹھے، جن کو پانی پت میں احمد شاہ (ابدالی) نے ختم کیا۔ یہ سارا واقعہ شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کی تدبیر کا نتیجہ تھا۔ یعنی احمد شاہ (ابدالی) کو بلوانا اور مرہٹوں سے لڑانا۔ کیوں کہ انھیں پہلے یہ چیز الہاماً معلوم ہوئی تھی۔ انھوں نے پہلے اپنے آدمیوں کو تیار کیا اور یقین دلایا کہ کامیابی ہوگی۔ اس کامیابی کے یقین نے انھیں کامیاب کر دیا۔...

(۲) دوسری طاقت سکھوں کی اٹھی ہے اور یہ شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے بعد ہوئی۔

یہ شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) کا زمانہ ہے۔ شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) نے ان کے ختم کرنے کے لیے وہی ترکیب سوچی، جو شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کے الہام میں مرہٹوں کے ختم کرنے سے متعلق تھی۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ افغانوں کی طاقت کابل سے لائی جائے اور سکھوں کا خاتمہ کر کے کابل اور دلی کا (سیاسی) اتصال پیدا کر دیا جائے تو دِلّی کی (سیاسی) طاقت خود بہ خود مضبوط ہو جائے گی۔ پھر بیرونی طاقتوں سے مقابلہ کرنا، دوسرا درجہ آئے گا۔ اس کے لیے شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) نے جماعت تیار کی، جو سید صاحب کی سیادت میں افغانستان گئی۔ اس کا مطلب تھا کہ افغانوں کے ساتھ مل کر سکھوں سے لڑیں اور راستہ صاف کر کے دلی پہنچیں۔ تو دو صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں:

(۱) یا تو اس جماعت کا نظام بادشاہ قبول کرے تو وہی بادشاہ رہے گا۔

(۲) اگر وہ قبول نہ کرے تو سید صاحب کی پارٹی جو نظام لے کر اٹھی ہے، وہ اس کے قیام کے لیے بادشاہ کو معزول کر دے۔

یہ شاہ ولی اللہ (دہلویؒ) کی سیاست کا دوسرا درجہ ہے۔...

الغرض! سکھوں کے فتنے کا انسداد کرنے والے امام حضرت شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) تھے۔ انھوں نے ایک جماعت تیار کر دی، جو ہندوستان میں ایک پروِژنل گورنمنٹ پیدا کر کے ہندوستانی مسلم قومیت کو زندہ کر دے گی۔ بادشاہوں کی اطاعت سے سوائے تنزل کے اور کچھ نصیب نہ ہوگا۔ عام (لوگوں کی) ذہنیت یہ ہے کہ بادشاہ کی اشد ضرورت ہے۔ پس دلی سے شاہ عبدالعزیز کے لوگ نکلے اور افغانوں میں جا کر اپنی عارضی گورنمنٹ قائم کی۔''(50)

(iv) تربیت یافتہ سیاسی جماعت کی تیاری

حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی سیاسی تعلیمات کی روشنی میں جدوجہد اور کوشش کی۔ اور جو تصورات اور نظریات امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دیے، ان کو پھیلانے اور فروغ دینے کے لیے بڑا کردار ادا کیا۔ ان تعلیمات و نظریات کے مطابق آپ نے نئی سیاسی حکمتِ عملی کے تحت ایک تربیت یافتہ جماعت تیار کی۔ اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام ولی اللہ (دہلویؒ) قریش کی زبان اور اُن کی معتدل معیشت و معاشرت کو اپنی اولاد میں خاندانی مفاخر کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے اُن کی وصیت پر عمل کر کے شرفائے ہند کے لیے سرمایہ داری اور اُس کی ترقی یافتہ صورت، شاہنشاہی کی لعنتوں کا سمجھنا آسان کر دیا۔

جہاں گیری اور شاہ جہانی عہد کے تنعّم (عیش و عشرت) کی یادگار رسمیں، جو افلاس کے زمانے میں اعلیٰ خاندانوں کی ہمت کو گھن کی طرح کھا رہی تھیں، اُن سے سوسائٹی کو پاک کرنے کے لیے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے تربیت یافتہ نوجوان کھڑے ہوگئے اور کامیابی سے اس کام کو انجام تک پہنچایا۔ اِن اصلاح یافتہ خاندانوں کی خواتین کے ایثار سے ہزاروں مجاہدین کا لشکر کم از کم دس سال تک روٹی کھاتا رہا۔ اور کسی فرعون اور قارون کے آگے سر جھکانے پر مجبور نہیں ہوا۔ ورنہ امیروں کے اندوختہ خزانوں پر تو اَوباش نوجوان اور بداَخلاق عورتیں مسلط رہیں۔

امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کی اس تربیت کی دوسری برکت یہ ظاہر ہوئی کہ ہندوستانی اعلیٰ خاندانوں کے ناز و نعمت سے پلے ہوئے نوجوانوں کا لشکر سندھ کے راستے سے قندھار و کابل ہوکر پشاور کے پہاڑوں اور جنگلوں میں مرنے کے لیے تیار ہوگیا۔

امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے اپنی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے اپنے تربیت یافتہ افراد سے جمعیتِ مرکزیہ بنائی۔ جس میں پہلے اپنے تینوں بھائیوں کو رکھا:

1۔ مولانا (شاہ) رفیع الدین (دہلویؒ) 2۔ مولانا (شاہ) عبدالقادر (دہلویؒ)

3۔ سب سے چھوٹے (بھائی) مولانا (شاہ) عبدالغنی (دہلویؒ)

پہلے (۱۲۲۷ھ/1812ء) میں فوت ہوگئے۔ اس لیے اہلِ دہلی اُن سے زیادہ آشنا نہیں ہوئے۔ مگر ''حضراتِ ثلاثہ'' کا لفظ اہلِ دہلی کی زبان میں امام عبدالعزیز (دہلویؒ) اور ان کے دو بھائیوں (شاہ رفیع الدین دہلویؒ اور شاہ عبدالقادر دہلویؒ) کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس جمعیت کی سعی (کوشش) سے نوجوانوں کی دوسری جماعت تیار ہوگئی۔ اس جماعت کے سرکردہ بھی تین یا چار بزرگ تھے:

(۱) مولانا محمد اسماعیل شہید، مولانا عبدالغنی کے صاحبزادے

(۲) مولانا عبدالحیٔ دہلوی، مولانا نوراللہ کے پوتے اور امام عبدالعزیز کے داماد

(۳) مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ)، امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے نواسے

(۴) مولانا محمد یعقوب دہلویؒ، مولانا محمد اسحاق کے بھائی

(۵) امیر شہید (سید احمد بریلوی) اس حزب (پارٹی) کے ساتھ منضم (شامل) کیے گئے۔''(51)

حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی تربیت یافتہ جماعت نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کی تشریح و تفصیل بیان کی اور ان کے فروغ کے لیے بڑا اہم کردار ادا کیا۔ اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے ساتھ اُن کی جمعیتِ مرکزیہ کے ہر دو طبقوں نے انھی کے منہاج (طریقے) پر خواص اور عوام کی تربیت کے لیے مختلف کتابیں لکھیں۔

(الف) خواص کے لیے:

☆ امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے فلسفے کی تشریح میں مولانا رفیع الدین (دہلویؒ) نے ''اسرار المحبّۃ'' اور ''تکمیل

www.rahimia.org

الأذهـان'' کے ساتھ مختلف رسائل لکھے۔ ''**حَـمَـلة العرش**'' کی تحقیق میں اُن کا ایک رسالہ اس قدر اعلیٰ فکر دیتا ہے کہ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے وہ رسالہ اپنی تفسیر میں نقل کردیا ہے۔ ایسا ہی ''**تـفسير آية النّور**'' میں اُن کا رسالہ بے نظیر ہے۔

☆ خواص کے لیے مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ نے ''**عبـقـات**'' لکھی۔ جس میں شیخ محی الدین ابن عربی (متوفی ۶۳۸ھ/ 1240ء) اور امامِ ربانی شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ/ 1624ء) کی تحقیقات سے مقابلہ کر کے، امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی حکمت کا تفوُّق (فوقیت) دکھایا ہے۔

(ب) عوام کے لیے:

☆ مولانا رفیع الدین (دہلویؒ، متوفی ۱۲۳۳ھ/1818ء) نے قرآن عظیم کا لفظی ترجمہ ہندی (اُردو) میں کیا۔ جس کی مدد سے دہلی کے عوام مولانا عبدالعزیز (دہلویؒ) کے وعظ سے پورے (طور پر) مستفید ہوتے رہے۔

☆ مولانا عبدالقادر (دہلویؒ متوفی ۱۲۳۰ھ/1815ء) نے قرآنِ عظیم کا بامحاورہ ترجمہ لکھا۔ ''**مُـوضـحُ الـقُـرآن**'' کے تشریحی ارشادات آج تک محققین علما کے لیے بصیرت افزا بن رہے ہیں۔

☆ مولانا عبدالحئی (بڑھانویؒ) نے (فارسی زبان میں) ''**لغات القرآن**'' لکھی۔

☆ مولانا محمد اسماعیل نے اپنی عربی کتاب ''**ردّ الإشراک**'' کا (اردو) ترجمہ ''**تـقوية الإيمان**'' لکھا۔ یہ کتاب اگر پانچ سو برس پہلے لکھی جاتی تو ہندوستانی مسلمان، دنیا کے مسلمانوں سے بہت آگے بڑھ جاتا۔

☆ مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) نے ''مشکوٰۃ'' کا ہندی (اردو) میں ترجمہ (مظاہر حق) کیا۔''(52)

اس حوالے سے مولانا عبیداللہ سندھیؒ مزید لکھتے ہیں:

''اس جمعیتِ مرکزیہ کی جدوجہد سے جب تحریک کے مبادی (بنیادی نظریات) کا تعارف ملت سے اچھی طرح ہوگیا تو امام عبدالعزیز (دہلویؒ) ایک ایسے نوجوان کی راہ دیکھ رہے تھے، جو عسکری معاملات سے طبعی دلچسپی رکھتا ہو، تاکہ انقلاب کے دوسرے حصے کی تکمیل کرائیں۔ اللہ کی رحمت سے امام ولی اللہ (دہلویؒ) سے مستفید مولانا (شاہ) ابوسعید (حسنی رائے بریلوی کے تکیہ شاہ **عَـلَـمُ اللّٰـه**) کے خاندان کا ایک نوجوان سید احمد شہید ۱۲۲۲ھ/1807ء (صحیح ۱۲۱۸ھ/1803ء ہے) میں امام عبدالعزیز کی دعوت میں شرکت کے لیے آیا۔ موصوف انھیں اس مطلب کے لیے زیادہ موزوں دیکھتے تھے۔ اس لیے اُن کی تربیت میں خاص توجہ صرف کرتے رہے۔''(53)

(v) امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا عوامی کام اور عالمی پذیرائی

حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے جہاں ایک تربیت یافتہ جماعت تشکیل دی، وہیں عوام میں بھی ولی اللّٰہی علوم و افکار پھیلانے کے لیے جدوجہد اور کوشش کی۔ چناں چہ مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''خواص کی ان جماعتوں کو تیار کرنے کے ساتھ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے عوم کو اپنے مقاصد سے آشنا کرنے

www.rahimia.org

کے لیے ہر ہفتے میں دو دِن وعظ کہنا شروع کیا۔ جس پر آپؒ آخر عمر تک عمل کرتے رہے۔ اس طرح عوام میں مستقل بیداری اور خواص کو وعظ کے ذریعے سے تربیتِ فکری کا طریقہ سکھاتے رہے۔

امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے تربیت پا کر اُن کے داعی اطرافِ ہند میں پھیل گئے۔ اس زمانے کے ایک عالم نے اس لیے سیاحت کی کہ اُسے علم حدیث کا کوئی ایسا استاذ ملے، جو امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کا شاگرد نہ ہو، مگر ہند میں اُسے ایک مدرّس بھی ایسا نہ ملا۔''(54)

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے ہمہ جہتی کام کی نوعیت ہندوستان تک ہی محدود نہیں رہی، بلکہ اس کے اثرات دیگر ممالک میں بین الاقوامی سطح تک بھی پہنچے۔ چناں چہ مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کی تعلیم و ارشاد کا اثر حجاز سے گزر کر استانبول (ترکی) پہنچا۔ غالبًا شیخ خالد کُردیؒ اس کا واسطہ بنا، جس نے مولانا (شاہ) غلام علی (دہلویؒ) کی خدمت میں سلوک کی تکمیل کی ہے۔ اور مولانا (شاہ) محمد اسماعیل شہیدؒ کی صحبت کے توسط سے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) سے مستفید ہوا۔ (شیخ) خالد کُردی (نقشبندیؒ) کا ایک شعر مشہور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

''میں علمائے خراسان کی خدمت میں پھرا، لیکن طبیعت مطمئن نہ ہوئی۔ اور دہلی میں مولانا غلام علی کی خدمت میں جانے کا ارادہ کیا تو وہ لوگ مانع ہوئے، مگر میں اُن کے اثر میں نہیں آیا ۔

بہ دہلی ظلمتِ کفر اَست گفتند ، و بہ دل گفتم
بہ ظلمت رُو اگر در جستجوئے آبِ حیوانی

(لوگ کہتے ہیں کہ دہلی کفر کے اندھیروں میں ڈوبا ہوا ہے، اور میرے دل نے کہا کہ اگر آبِ حیات کی جستجو چاہیے تو اندھیروں کی طرف چلو)''

(شیخ) خالد کُردی (نقشبندیؒ) کے شیخ طریقت مولانا غلام علی (دہلویؒ) بھی امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے اصحاب (شاگردں) میں سے تھے۔

استانبول (ترکی) کے علما کی طرف سے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کی خدمت میں دعوت نامہ آیا کہ اگر آپ ''آستانہ'' تشریف لائیں تو یہاں کی تمام علمی جماعتیں آپ کی سیادت (رہنمائی) میں کام کریں گی، مگر امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے اپنے والدِ ماجد امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے ہندی (ہندوستانی) کام کی تکمیل سے علاحدہ ہونا پسند نہیں کیا۔''(55)

(vi) امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی جانشین جماعت

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے جو سیاسی جماعت تشکیل دی تھی، اس کے لیے کام کرنے کے اصول متعین کردیے تھے۔ خاص طور پر اپنے بعد کام کرنے کی حکمتِ عملی اور طریقۂ کار متعین کیا۔ اس حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے سیاسی نظام کی تشکیل میں ''امام الحقّ'' کی عدم موجودگی میں اجتماعی بورڈ کی اہمیت واضح کی تھی، اُسے سامنے رکھتے ہوئے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اپنی

www.rahimia.org

سیاسی جماعت میں اجتماعی مشاورتی نظام قائم کیا۔ چناں چہ ''عسکری امور'' کی انجام دہی کے لیے ایک علاحدہ ونگ اور مشاورتی نظام قائم کیا، جب کہ ''نظریاتی اور تنظیمی امور'' کے حوالے سے پارٹی کے بنیادی فکر و نظریے کی حفاظت اور پارٹی نظام کو صحیح خطوط پر آگے بڑھنے کے لیے علاحدہ مشاورتی نظام قائم کیا۔ اس حوالے سے امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے آخری عہد میں ہندوستان کی سیاست میں سخت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ انھوں نے اپنے بعد کام کرنے کے لیے اپنے لوگوں میں سے کسی میں (اعلیٰ درجے کی) امامت کی صلاحیت نہیں دیکھی، تاکہ کسی کو ''ڈکٹیٹر'' بناتے۔ اس لیے (انھوں نے) دو بورڈ بنا دیے:

(الف) عسکری امور کے لیے سید احمد شہید امیر، اور مولانا عبدالحئی (بڈھانویؒ) اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ مشیر مقرر ہوئے۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے اپنی تمام جماعت کو حکم دیا کہ جس معاملے پر سید احمد (شہید)، مولانا عبدالحئی (بڈھانوی)، مولانا محمد اسماعیل (شہید) تینوں جمع ہو جائیں، اس کو (امام) عبدالعزیز (دہلویؒ) کا حکم سمجھنا چاہیے۔

(ب) تنظیمی امور کے لیے مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) امیر، اور مولانا محمد یعقوب دہلویؒ (برادر مولانا محمد اسحاق) مشیر۔ مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) کو اپنے ہر معاملے میں اپنے ساتھ شریک رکھ کر شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) نے لوگوں کو سمجھا دیا کہ اُن کا حکم میرا حکم ہے۔

امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کا یہ فیصلہ فقط امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے (''البدور البازغہ'' میں بیان کردہ اجتماعی بورڈ کے) اصول پر ٹھیک اُترتا ہے۔

امام عبدالعزیز نے سید احمد شہیدؒ کے بورڈ (56) کو پہلی دفعہ ۱۲۳۱ھ (صحیح ۱۲۳۳ھ/1818ء ہے) میں بیعتِ طریقت لینے کے لیے اور دوسری دفعہ ۱۲۳۶ھ (1821ء) میں بیعتِ جہاد لینے کے لیے دورے پر بھیجا۔ اس کے بعد سارے قافلے سمیت حج پر جانے کا حکم دیا، تاکہ اُن کی تنظیمی قوت کا تجربہ ہو جائے۔ جب قافلہ حج سے ۱۲۳۹ھ (1824ء) میں واپس آیا تو امام عبدالعزیز (دہلویؒ) فوت ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنے آخری وقت میں مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) کو مدرسہ سپرد کر کے اپنا قائم مقام بنا دیا تھا۔ رضي الله عنهم و عنّا معهم أجمعين.'' (57)

6۔ اس دور کے تیسرے امام؛ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (1824ء تا 1831ء)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے بعد ولی اللّٰہی سیاسی جماعت کے جانشین حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ ہوئے۔ انھوں نے اس جماعت کی ترقی اور اس کی سیاسی تحریک کے لیے پوری زندگی اہم کردار ادا کیا۔ ان کی رہنمائی کے دو ادوار ہیں:

پہلا دور 1824ء سے 1831ء تک کا ہے۔ اس دور میں امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی تربیت یافتہ جماعت جن امور کو لے کر چل رہی تھی اور جو سیاسی فیصلے امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کر چکے تھے، اُن کی تکمیل کے لیے آپؒ نے جدوجہد اور کوشش کی۔ انھوں نے دہلی کے مرکز میں بیٹھ کر نہ صرف علومِ ولی اللّٰہی کے فروغ کے لیے کام کیا، بلکہ عسکری جدوجہد اور کوشش کے لیے شاہ

www.rahimia.org

عبدالعزیز دہلویؒ نے سیّداحمد شہیدؒ کی قیادت میں جو کام شروع کرایا تھا، اُس کے لیے افراد سازی اور فنڈز مہیا کرنے کا کام بھی بڑی ذمہ داری سے بہ دستور جاری رکھا۔

دوسرا دور 1831ء سے جولائی 1846ء تک ہے۔ یہ دور ایسا ہے کہ جب واقعہ بالاکوٹ کے نتیجے میں ولی اللّٰہی سیاسی تحریک پر مبنی حکومت ختم ہوگئی تو پھر حضرت شاہ محمداسحاق دہلویؒ نے نئے دور کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے ولی اللّٰہی سیاسی جماعت کے لیے کام کرنے کی نئی حکمتِ عملی ترتیب دی۔ یہ امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کی جدوجہد کا دوسرا دور ہے۔

ہم یہاں حضرت شاہ محمداسحاق دہلویؒ کی جدوجہد کے پہلے دور میں کیے گئے کام کا جائزہ لیں گے۔

(الف) حضرت شاہ محمداسحاق دہلویؒ کی اہمیت

حضرت شاہ محمداسحاق دہلویؒ کے متعلق مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''شیخ (محمداسحاق دہلویؒ ۱۰ر ذوالحجہ) ۱۱۹۷ھ (نومبر 1783ء) میں پیدا ہوئے۔ ان کا سلسلۂ نسب امام عبدالعزیز دہلویؒ کے نسب سے چوتھی پشت میں شیخ منصور بن احمد عمری پر جا ملتا ہے۔ انھوں نے تینوں ائمہ (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، شاہ رفیع الدین دہلویؒ، شاہ عبدالقادر دہلویؒ) سے تعلیم حاصل کی تھی۔ حدیث کی کتاب ''**مشکوٰۃ المصابیح**'' کا جو اردو ترجمہ آپؒ نے کیا تھا، اسے آپؒ کے شاگرد حضرت شیخ (نواب) قطب الدین دہلویؒ نے اپنی شرح ''**مظاہر حق شرح مشکوٰۃ**'' کے ساتھ ملا کر ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ اس سے اس کا نفع بہت عام ہوگیا۔

جن لوگوں کی سند امام شاہ عبدالعزیز تک پہنچتی ہے، ان میں عام طور پر صدرالحمید (شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کو علومِ دینیہ اور علم حدیث میں امام تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن سیاسیات میں آپؒ کی امامت کا آغاز ۱۲۵۷ھ (1841ء) میں مکہ مکرمہ کی جانب ہجرت کرنے کے بعد ہوا۔ اور سیاست میں آپؒ کی امامت اُس جماعت کے لیے طے شدہ ہے، جو سیداحمد (شہید) دہلویؒ کی شہادت تسلیم کرتی ہے۔''(58)

اسی طرح ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' میں مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''جب ۱۲۳۹ھ (1824ء) میں امام عبدالعزیز (دہلویؒ) فوت ہوئے تو آپ نے اپنا مدرسہ مولانا محمداسحاق (دہلویؒ) کے سپرد کیا، جو حزبِ ولی اللہ کی امامت کا عرفی دستور تھا۔ سیداحمد شہیدؒ کا قافلہ جب حج سے واپس آیا تو انھوں نے امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے بعد اس امامت کو تسلیم کرلیا۔ اس زمانے میں اگر جمعیت کا اجلاس مدرسہ میں ہوتا تو مولانا محمداسحاق (دہلویؒ) صدارت کرتے اور سیداحمد شہیدؒ حلقے میں بیٹھتے اور جب مدرسہ سے باہر مجلس منعقد ہوتی تو سیداحمد شہیدؒ صدر ہوتے اور مولانا محمداسحاق (دہلویؒ) حلقے میں شریک ہوتے۔

اس طرح حزبِ ولی اللہ کی اساسی مصلحت کی حفاظت اور رجال واموال (افراد سازی اور فنڈز) جمع کرنے کے لیے دُعاۃ (دعوت دینے والوں) کا سلسلہ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے مدرسّے سے متعلق رہا۔ اور عسکری اور سیاسی سرداری سیداحمد شہیدؒ کی جماعت سے وابستہ رہی۔''(59)

www.rahimia.org

حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ ان کے جانشین قرار پائے۔ چناں چہ جس مدرسے اور مرکز میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ صدر نشین کی حیثیت سے تشریف فرما ہوتے تھے، پوری جماعت کے اتفاقِ رائے سے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو صدر نشین بنا دیا گیا۔ اس حقیقت کی نشان دہی مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ''ارواحِ ثلاثہ'' میں حضرت امیر شاہ خان صاحبؒ کی روایت کچھ اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ:

''مولوی عبدالقیوم (بڈھانوی) صاحب (بن مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ) فرماتے تھے کہ: سید (احمد شہید) صاحب، مولوی عبدالحئی (بڈھانوی) صاحب، شاہ (محمد) اسحاق (دہلوی) صاحب، مولوی محمد یعقوب (دہلوی) صاحب، مولوی (محمد) اسماعیل (شہید) صاحب، یہ حضرات سب کے سب متحد اور یک جان اور قوالبِ متعددہ تھے۔ جب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تو سب کو خیال ہوا کہ شاہ صاحبؒ کا جانشین کس کو بنایا جائے۔ ..ان سب کی رائے ہوئی کہ شاہ (محمد) اسحاق صاحب کو جانشین قرار دیا جاوے۔ اور یہ طے ہوگیا کہ مدرسے کے اندر صدر پر شاہ محمد اسحاق صاحب بیٹھیں اور کوئی نہ بیٹھے۔ اور مدرسے سے باہر جس طرح چاہیں بیٹھیں۔ پس ان حضرات کا یہی معمول تھا کہ مدرسے میں صدر پر شاہ (محمد اسحاق دہلوی) صاحبؒ بیٹھتے اور دوسرے لوگ، خواہ سید صاحب ہوں یا مولوی عبدالحئی صاحب، سب آپ کے سامنے باادب بیٹھتے۔ اور مدرسہ سے باہر سید صاحب صدر پر ہوتے تھے اور اگر وہ نہ ہوتے تھے تو مولوی عبدالحئی صاحبؒ صدر پر ہوتے تھے۔ اور شاہ اسحاق صاحب اور دوسرے لوگ ان کے سامنے باادب بیٹھتے تھے۔ اور مولوی اسماعیل صاحب نہ مدرسے میں صدر ہوتے تھے، نہ مدرسے سے باہر۔''(60)

اس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے بعد سب حضرات نے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا جانشین سمجھ لیا۔ اور اسی نسبت سے تمام لوگ اُن کا احترام کرتے تھے اور اُن سے اُسی طرح پیش آتے تھے، جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اُن کا تعلق تھا۔ حتیٰ کہ حضرت سید احمد شہیدؒ بھی حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کا اُسی طرح احترام کرتے تھے۔ حضرت امیر شاہ خان صاحبؒ فرماتے ہیں:

''جب شاہ (عبدالعزیز دہلویؒ) صاحب کی وفات ہوگئی، تو سب نے مل کر صدر (حضرت) شاہ (محمد) اسحاق (دہلوی) صاحبؒ کو مقرر کیا اور اُن کو نذرانے دیتے تھے۔ حتیٰ کہ (حضرت) سید (احمد شہید) صاحبؒ بھی بایں جلالتِ قدر (انھیں) نذر پیش فرماتے۔''(61)

اسی طرح حضرت سید احمد شہیدؒ جب حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو خط لکھتے ہیں تو بہت ہی بلند القابات سے یاد کرتے ہیں:

''فضل و کمال کی بلندی پر سوار، بزرگی اور بلندی کے اعلیٰ مقام پر فائز، جن کے اوصاف بازاروں اور مساجد میں یکساں مشہور ہیں، اپنے خاندان کے ایسے بقیہ لوگوں میں سے ہیں، جن کی تعریف چمکتے ہوئے اور ڈوبتے ہوئے ستاروں میں یکساں ہے، شیخ الاجل مولانا محمد اسحاق کے نام۔''(62)

ایک اور خط میں حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ اور ان کے بھائی حضرت شاہ محمد یعقوب دہلویؒ کو ان الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں:

www.rahimia.org

''اللہ کے اُس بندے کی طرف سے، جو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ ایسی دونوں شخصیتوں کے نام، جو عزت اور بلندی کے آسمان کے چمکتے چاند ہیں، جود و سخا کے سلسلے کا مرکز ہیں، علم اور ہدایت کے پہاڑ ہیں، بُردباری اور تقویٰ کے معلّم ہیں، اسلاف کی تعلیمات کا منبع ہیں، بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے افادات کو مزید مکمل فرمائے اور ان کی ہدایت اور رہنمائی کو مزید سربلند فرمائے۔''(63)

اس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی پوری جماعت نے حضرت امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کو اُن کا جانشین اور اُن کی سیاسی تحریک کا صدر نشین تسلیم کرلیا تھا۔ اور آئندہ کے تمام کام ان کی مشاورت اور رہنمائی میں سرانجام پاتے تھے۔

(ب) حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے سیاسی کام کی اہمیت

ولی اللّٰہی سیاسی تحریک میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے سیاسی کام کی جو اہمیت ہے، اس کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

(الف) ایک انقلابی تحریک میں پہلا درجہ سوسائٹی میں انقلاب کے لیے عقلی نظام (فلسفہ) سوچنا ہے۔ اس درجے کو ہم امام ولی اللہ (دہلویؒ) میں منحصر مانتے ہیں۔

(ب) اس کے بعد دوسرا درجہ اس کے پراپیگنڈے کا ہے۔ پراپیگنڈے کی کامیابی پر پارٹی کا نظام بنتا ہے، جو اپنے ممبروں پر حکومت کرتا ہے (یعنی خلافتِ باطنہ) اس درجہ کو ہم امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کا کمال مانتے ہیں۔

(ج) اس کے بعد تیسرا درجہ دوسری پارٹیوں سے مقابلہ کرکے ان کے مقبوضات فتح کرنا ہے۔ اس سے انقلابی حکومت (خلافتِ ظاہرہ) پیدا ہوتی ہے۔ ہم امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی تحریک میں یہ درجہ امیر شہیدؒ اور ان کے رفقا میں محدود کر دیتے ہیں۔

پارٹی کا نظام مستقل ہوتا ہے، حکومت کبھی بنتی ہے اور کبھی ٹوٹتی ہے۔ پارٹی کا وجود اس وقت تک سالم مانا جاتا ہے۔ جب تک اس کی اساسی مصلحت قائم کرنے والی جماعت فنا نہیں ہوتی:

(الف) اس فرق کو واضح کرنے کے لیے ہم نے ''امیر'' اور ''امام'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ہم امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے بعد پارٹی کے نظام کا محافظ امام محمد اسحاق (دہلویؒ) کو مانتے ہیں۔ اور حکومت کے امیر، امیر المومنین السیّد احمد الشہیدؒ ہیں۔ اس معاملہ میں امام محمد اسحاق (دہلویؒ) ان کے ایک نائب ہیں۔

(ب) یورپ کی سیاسی پارٹیوں میں نظام کا محافظ ایک بورڈ ہوتا ہے۔ اسے ڈسپلن یا ''انضباط'' کا نام دیا جاتا ہے۔ اس بورڈ کا حکم پارٹی کے سب ممبروں پر نافذ ہوتا ہے۔ اور حکومت چلانا وزرا کا کام ہے۔ اسی انداز پر ہم نے بالاکوٹ میں حکومت کا خاتمہ ایک حد تک مان لیا ہے، مگر ہم پارٹی کے نظام کو دہلی میں محفوظ مانتے ہیں۔''(64)

(ج) اس دور میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کا سیاسی کردار

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ، دہلی کے مرکز میں بیٹھ کر ولی اللّٰہی سیاسی جماعت کے عسکری ونگ کی مکمل سرپرستی، رہنمائی اور

www.rahimia.org

مالی اعانت کا کام فرماتے رہے۔ آپؒ کے تربیت یافتہ افراد انتہائی چابک دستی سے سید احمد شہیدؒ اور ان کے درمیان رابطوں کا نظام قائم رکھنے اور فنڈز کی فراہمی کا کام کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے درمیان اس سلسلے میں خط و کتابت ہوتی رہتی تھی۔ اس کے ذریعے سے اہم امور کی انجام دہی کی جاتی تھی۔ تحریکِ سیاست و جہاد میں حصہ لینے کے لیے افراد کی تربیت اور اس سلسلے میں مالی معاونت کے بارے میں حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے نام ۳/رجب ۱۲۴۵ھ (29/دسمبر 1829ء) کو لکھے گئے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ کے ایسے بندے کی طرف سے یہ خط ہے، جو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا ہے اور تمام مسلمانوں کا خیرخواہ ہے۔ جسے امیر المؤمنین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اُس شخصیت کے نام، جو ''تدقیق'' (فکر و فلسفے کی باریکیوں پر گہری نظر کے حامل) اعلیٰ مقام پر ترقیات کی منازل طے کرچکی ہے اور خالص تحقیق کے مرتبے پر فائز ہے۔ پاکیزہ اَخلاق کے حامل اور بہت سی مشکلات کو حل کرنے والی شخصیت ہے۔ شیخ الاجل مولانا محمد اسحاق (دہلوی) کے نام۔

اور اسی طرح فضائل میں انھیں کے نقشِ قدم پر چلنے والے، عادات و اَخلاق میں اُن کے ثانی، جن کی عقل سے ذہانت ٹپکتی ہے اور ایمان اُن کے دل میں اُنڈیل دیا گیا ہے۔ شیخ الجلیل مولانا محمد یعقوب (دہلوی) کے نام۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی رہنمائی کی صلاحیت میں مزید اضافہ کرے اور ان دونوں کے افادات کو کئی گنا بڑھائے۔

أمّا بعد! السّلام علیکم و رحمة اللّٰه و برکاتهٗ!

اس زمانے میں اسلام کے لشکر کو تقویت دینے میں زیادہ نفع بخش اور عقل مند لوگوں کو رغبت دلانے میں زیادہ بہتر کام یہ ہے کہ مہارت رکھنے والے تربیت یافتہ افراد جہاد کے کام کے لیے کمر کس لیں۔ اور لشکروں کی سیاست میں سمجھ اور بصیرت رکھنے والے لوگ مجاہدین کی امداد کرنے اور دشمنوں کو ختم کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوں۔

ہم نے اس طرح کی جنگی مہارت رکھنے والے اور اس میدان میں صلاحیت کے حامل دو افراد کے بارے میں سنا ہے: ایک اُن میں سے مشت خان ہے اور دوسرا جزائے خان ہے۔ دونوں مجاہدین کے لشکر کا ساتھ دینے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اور مجاہدین کے لشکر سے تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ اُن دونوں کی طبیعت اگرچہ اس سفر کی طرف مائل ہے، لیکن وہ دونوں سواری اور سفر خرچ وغیرہ نہیں رکھتے۔ اور وہ دونوں اس بات کے منتظر ہیں کہ ہمیں اس اہم ترین کام کی جیسے ہی دعوت دی جائے تو ہم بغیر کسی مہلت اور وقفے کے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ ان کے بارے میں جیسے ہی ہمیں پتا چلا تو ہم نے یہ اقدام کیا کہ اپنے ذہین بھائی، دوست، سمجھ دار، عقل مند اور سفر و سیاحت کے لیے ہر وقت تیار حاجی محمد صابر کو ان دونوں کی طرف بھیجا ہے۔ تاکہ وہ انھیں اس عظیم کام کی دعوت دیں اور ان دونوں کے لمبے سفر کے لیے اخراجات کی کفالت کا انتظام کریں۔

آپ کو چاہیے کہ بیت المال کے مال میں سے جو کچھ باقی ہے، اس میں سے انھیں کچھ مال عطا فرمائیں اور اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے عام طور پر جو آپ مدد کیا کرتے ہیں، ایسی ہی مدد اس سلسلے میں بھی کریں۔ اور

www.rahimia.org

ان کے ساتھ بعض اعمال و اقوال میں شریک رہیں۔ ہمارے اس خط کی بنیاد پر اس اہم کام کے سلسلے میں انھیں مال دینے میں ان پر اعتماد کریں۔ اس لیے کہ یہ آدمی پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ بات کرتا ہے اور عدل و انصاف اور معاملات کی سچائی کے حوالے سے اس پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔''(65)

حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ حضرت سید صاحب کے تمام حالات سے آگاہ رہتے تھے اور اُن کے لشکر کے لیے فنڈز اکٹھا کرنے اور حکمتِ عملی کے ساتھ ان تک پہنچانے کے لیے جدوجہد اور کوشش فرماتے رہتے تھے۔ ان دونوں حضرات کے درمیان تحریک سے متعلق معلومات کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا اور اس سلسلے سے متعلقہ افراد کا ایک دوسرے کے پاس آنا جانا رہتا تھا۔ چناں چہ ایسے ہی ایک شخص پیر محمد تھے، جو دہلی کے مرکز اور سید صاحبؒ کے درمیان اس حوالے سے رابطے کا کام کرتے تھے۔ ''وقائع سید احمد شہید'' میں ان کا تفصیلی تذکرہ ہے۔ اُن کا کہنا ہے:

''پھر کئی روز کے بعد مَیں حضور مغفور (نواب ٹونک) اور حضرت سید عبدالرحمٰن صاحب سے رخصت ہوکر مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) کے پاس آیا اور اُن سے ملا۔ اور جو کچھ سفرِ ٹونک کا حال انھوں نے پوچھا، میں نے بیان کیا اور انھی کے مدرسے میں اُترا۔ اُس کے اگلے روز مولانا صاحب سے میں نے کہا:

''اب مجھ کو دو تین روز میں سید صاحب علیہ الرحمہ کے پاس جانا ہے۔ آپ کو جو کچھ بھیجنا ہو، اس کی تدبیر جلد کریں۔''

مولانا صاحب نے فرمایا کہ:

''خیر! جب تک تم چلو گے، خدا چاہے گا تب تک کچھ تدبیر ہوجاوے گی۔ تم کو جو کچھ کار (کام) ضروری ہوں، اس سے فراغت کرلو۔''

میں نے کہا کہ: ''بہتر ہے۔''

اور میں سفر میں فقیرانہ لباس رکھتا تھا۔ میرے پاس ایک بڑے بڑے دانوں کی تسبیح اور ایک روئی دار مِرزئی (کوٹ) اور ایک پانی بھرنے کی ڈول تھی اور ایک دوپٹا تھا۔ پھر دوسرے یا تیسرے روز مولانا صاحب نے اپنے پاس سے تین سو روپے کی اشرفی منگائیں اور تین ہزار روپے کا ہنڈوی کا کاغذ منگوایا اور سات سو روپے کی اشرفیاں میں نے مولانا صاحب کو سپرد کی تھیں۔ جب یہ سب تدبیر درست ہوچکی، تب اُسی دن یا اُس کے اگلے دن ایک شاگرد مولانا صاحب کا آیا۔ اور مولانا صاحب سے الگ الگ ایک گوشے میں اُس نے دیر تک کچھ باتیں کیں۔

جب وہ چلا گیا تب مولانا صاحب نے مجھ کو بلایا۔ اور مجھ کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ: ''طالب العلم جو ابھی آیا تھا، اُس نے ایک بات ایسی کہی کہ اُس کو سن کر مجھ کو بڑی تشویش ہوئی۔ وہ بات یہ ہے کہ اُس نے کہا کہ:

''یہاں محلے میں ایک وکیل راجہ رنجیت سنگھ کا رہتا ہے اور مجھ سے اُس کی دوستی ہے۔ میں کبھی کبھی اُس کے پاس جایا کرتا ہوں۔ چناں چہ آج بھی گیا تھا اور ابھی وہیں سے آتا ہوں۔ جب میں اُس کے پاس بیٹھا تھا، تب لاہور کا ایک خط سرکاری اُس کے پاس آیا اور اُس نے میرے روبرو پڑھا۔ خلاصہ مضمون اُس کے، کا یہ تھا کہ ایک آدمی پستہ

www.rahimia.org

قد، ایک ہاتھ کا اور اتنی اس کی عمر، اور ایسی صورت اور ایسے رنگ کا فقیرانہ لباس پہنے ہوئے کبھی کبھی دہلی کی طرف سے اِدھر آتا ہے اور ہزاروں روپے کی ہنڈیاں اور اشرفیاں چھپا کر خلیفہ صاحب (سید احمد شہید) کے پاس لے جاتا ہے۔ سو اگر تم کو اس کا پتا معلوم ہو تو جب وہ وہاں سے اِدھر کو چلے، تب تم ہم کو اطلاع کرو۔ ہم ہر ایک چوکی پر سپاہیوں سے تاکید کر دیں کہ جب وہ ملے، تب اُس کو گرفتار کر کے ہمارے پاس پہنچا دیں۔ سو اس خط کے سنتے ہی میرے دل پر خیال گزرا کہ ایسا آدمی تو سوائے پیر محمد قاصد کے اُدھر جانے والا اور کوئی نہیں۔ سو اس لیے میں آپ کو اطلاع کرنے آیا ہوں کہ اگر ان دنوں اُن کو اُس طرف بھیجیں تو ذرا سوچ اور سمجھ بوجھ کر بھیجیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔''

سو میاں پیر محمد صاحب! یہ بات سن کر مجھ کو تردّد ہوا۔ اب کہو، اس کی کیا تدبیر کرنی چاہیے؟'' میں نے مولانا صاحب سے کہا کہ: ''میں تو کچھ نہیں جانتا ہوں، آپ ہی جو کچھ تدبیر مناسب جانیں، سو کریں۔ اور مجھ کو تو وہاں ضرور جانا ہے۔ جس صورت سے بنے گا، اس صورت سے خدا پر توکل کر کے جاؤں گا۔ اور جو زرِ نقد اور کاغذ ہُنڈی کا آپ کے پاس ہے، اُس کے بھیجنے نہ بھیجنے کا آپ کو اختیار ہے۔'' مولانا صاحبؒ نے فرمایا کہ: ''خیر! ابھی تو تم رہو، زرِ نقد وغیرہ بھیجنے نہ بھیجنے کا جواب ہم تم کو سوچ اور سمجھ کر دیویں گے۔''(66)

حضرت سید احمد شہیدؒ نے حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کے نام اپنے ایک مکتوب میں پیر محمد کے ذریعے سے وصول ہونے والی رقم اور اُن کے لکھے ہوئے ایک خط کے موصول ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ چناں چہ ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

''معزز سفر کرنے والا، جس کا نام شیخ پیر محمد ہے، آپ کا معزز خط لے کر آیا۔ اور وہ گفتگو بھی بتلائی، جو آپ نے معزز سرزمین (دہلی) میں اُس کے ساتھ کی، نیز اُس کے پاس ایک ہُنڈی بھی تھی۔''(67)

اسی طرح پیر محمد اپنے ایک دوسرے سفر کی روئداد اس طرح سے لکھتا ہے:

''اگلے روز اُن (میرٹھ میں قاضی حیات بخش صاحب) سے رخصت ہو کر دہلی میں آیا اور مولانا محمد اسحاق صاحب سے ملا اور اُنھیں کے مدرسے میں اُترا۔ اور تمام اول سے آخر تک اپنی سرگزشت میں نے بیان کی۔ اور ''سمے'' کی واردات وہ بھی پہلے سن چکے تھے۔ اور جو حال میں نے سنا تھا، وہ بھی بیان کیا اور سید صاحب کا حال بھی میں نے کہا کہ وہ مع لشکر پنجتار میں ہیں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ: ''ہاں! سچ کہتے ہو۔ یہ اگلی خبر ہے، مگر اب چند روز ہوئے سنا ہے کہ سید صاحب مع لشکر وہاں سے ہجرت کر کے طرف ملک کشمیر کے تشریف لے گئے ہیں۔'' میں نے کہا کہ: ''یہ خبر میں نے آپ سے سنی ہے، مجھ کو معلوم نہ تھی، مگر میں سید صاحب کے پاس جاؤں گا، جہاں اللہ تعالیٰ ملا دے۔'' مولانا صاحب نے فرمایا کہ: ''خیر! تم خالی یا تن تنہا جس طرف ہو کر جاؤ گے، چلے جاؤ گے اور ہم کو جب تک پکی خبر نہ ملے گی کہ پنجتار سے جا کر سید صاحب کہاں ٹھہرے ہیں، تب تک ہم یہاں سے کچھ بھیج نہیں سکتے۔'' میں نے کہا کہ: ''آپ سچ فرماتے ہیں، بات یوں ہی ہے۔'' اور میں مدرسے میں دس بارہ روز رہا، بعد اس کے مولانا صاحب سے رخصت ہو کر روانہ ہوا اور اس وقت میرے پاس پچاس روپے تھے۔... یہ پچاس اس طریق سے جمع ہوئے تھے کہ تین روپے تو سہارن پور حکیم مغیث الدین صاحب نے دیے اور دس روپے میرٹھ کی چھاؤنی میں محمد تقی اور ان کے بھائی

www.rahimia.org

عبداللہ نے مل کر دیے اور دو روپے شہر میرٹھ میں قاضی حیات بخش صاحب نے دیے۔ اور پندرہ روپے مظفر نگر میں مولوی خدا بخش صاحب نے دیے اور بیس روپے دہلی میں مولانا محمد اسحاق صاحب نے واسطے خرچِ راہ کے دیے تھے۔''(68)

الغرض! اس دور میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی ہر طرح سے معاونت کی۔ افرادی قوت بھی فراہم کی اور مالی اعانت کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ اسی طرح ان معاملات میں مشاورت کا سلسلہ قائم رہا۔ اس عرصے میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی جانشینی کا پورا پورا حق ادا کیا۔

7۔ امیرِ شہید سید احمد شہیدؒ کی سیاسی جدوجہد اور کردار (1823ء تا 1831ء)

ولی اللّٰہی سیاسی تحریک میں عسکری جدوجہد کے حوالے سے سب سے زیادہ نمایاں کردار امیر شہید حضرت سید احمد شہیدؒ کا ہے۔ انھوں نے امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کی تربیت یافتہ جماعت کے حضرات سے تربیت حاصل کر کے اس سیاسی تحریک کو مزید آگے بڑھایا اور اس کی اساس پر ہندوستان کی ایک عارضی قومی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔ حضرت سید صاحبؒ کی جدوجہد کے اہم پہلو درجِ ذیل ہیں۔

(الف) حضرت سید احمد شہیدؒ، شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں

حضرت سید احمد شہیدؒ کی پیدائش ۶ رصفر المظفر ۱۲۰۱ھ/ 29 رنومبر 1886ء میں ہوئی۔(69) ابتدائی تعلیم و تربیت تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں اپنے خاندان میں ہوئی۔ آپؒ کے تایا سید ابوسعید رائے بریلوی حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے۔ اسی نسبت سے حضرت سید صاحبؒ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں ۱۲۱۸ھ/ 1803ء میں رائے بریلی سے دہلی تشریف لائے اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے بیعت ہوئے۔ ''وقائع سید احمد شہیدؒ'' میں ہے کہ حضرت سید صاحبؒ کے ساتھ سفر و حضر میں ہم رکاب رہنے والے ''مخبرِ راز گفتار و صداقت شعار'' میاں دین محمد صاحب کا بیان ہے کہ:

> ''حضرت الامیر المؤمنین موصوف جب سترہ اٹھارہ برس کے ہوئے، تب قصبہ رائے بریلی سے واسطے حصولِ علومِ معرفتِ الٰہی کے طرف بلدۂ مراد شاہ جہان آباد (دہلی) کے روانہ ہوئے۔ تب چند روز میں بعد طے منازل اور مراحل کے بیچ خدمت سراپا برکت امام المحدثین، رئیس المفسرین، قدوۃ اہل تمیز، حضرت مولانا و مرشدنا شاہ عبدالعزیز مرحوم و مغفور کے پہنچ کر ملاقات سے شرف یاب ہوئے۔ حضرت مولانا ممدوح نے جناب امیر المؤمنین سے مصافحہ و معانقہ کیا اور اپنے پاس بٹھایا۔ اور احوال پوچھنا شروع کیا کہ: ''آپ کہاں سے تشریف لائے؟'' حضرت نے عرض کی کہ: ''رائے بریلی، علاقہ لکھنؤ سے۔'' فرمایا: ''کس قوم سے ہیں؟'' عرض کی: ''قوم سادات سے۔'' فرمایا: ''سید ابوسعید اور محمد نعمان سے آپ واقف ہیں؟'' عرض کی: ''سید ابوسعید اس خاکسار کے تایا اور سید نعمان چچا حقیقی اس فقیر کے ہیں۔'' حضرت مولانا ممدوح اٹھے اور دوسرا کر (دوبارہ) مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اور پوچھا: ''کس واسطے یہ مصیبتِ سفر دور دراز کی اختیار کی؟'' حضرت امیر المؤمنین موصوف نے عرض کی کہ: ''آپ کی ذات ستودہ صفات کو غنیمت سمجھ کر واسطے

طلب اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے اس خدمت بابرکت میں آیا ہوں۔''

اس وقت حضرت مولانا ممدوح نے اپنے خادم سے فرمایا کہ: ''سید صاحب کو مسجد اکبر آبادی میں میرے بھائی (شاہ عبدالقادر دہلوی) کے ہاتھ میں دے کر میری طرف سے کہہ دینا کہ ان کا حال میں تم سے وقت ملاقات کے مفصل کہوں گا۔ ان کی مہمان داری اور خدمت گزاری میں حتی الامکان کوتاہی نہ کرنا۔'' حضرت امیر المؤمنین موافق ارشاد امام المحد ثین کے ہمراہ خادم کے مسجد مذکور میں مولوی صاحب موصوف کے پاس تشریف لے گئے اور ان کی ملاقات فرحت آیات سے محظوظ و مسرور ہوئے۔ بعد گزرنے چند ایام نیک انجام کے شبِ جمعہ کو اوپر دستِ مبارک قدوۃ السالکین، زبدۃ العارفین، مولانا ممدوح پُرفتوح (حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) کے شرفِ بیعت سے ہیچ خاندان ہدایت نشان چشتیہ اور نقشبندیہ اور قادریہ کے مشرف ہوئے۔ اور شب و روز حضرت امام المحدّ ثینؒ کے رہنے لگے۔ عنایتِ الٰہی سے چند مدت میں تمام مقاماتِ عام سلوک کے طے فرمائے۔''(70)

(ب) ولی اللّٰہی تعلیمات کے مطابق سید احمد شہیدؒ کی تربیت

حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں تقریباً پانچ چھ سال ۱۲۱۸ھ/1803ء سے لے کر ۱۲۲۳ھ/1808ء تک رہے۔ اور اس پورے عرصے میں حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شاہ محمد اسحاق دہلویؒ وغیرہ سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ چناں چہ مولانا سندھیؒ سید صاحبؒ کے بارے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''سید احمد شہیدؒ نے عربی کی ابتدائی کتابیں مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) اور مولانا محمد اسماعیل سے پڑھیں۔ قرآن مجید کا ترجمہ اور حدیث مولانا عبدالقادر (دہلویؒ) کے درس میں سنتے رہے اور انھیں کی صحبت میں سلوک مکمل کیا۔ ذکر اللہ جب اُن کی طبیعت میں راسخ ہوگیا تو اُن کی عالی دماغی اور اولوالعزمی سے ایسے کلمات صادر ہوتے، جو ایک ایسے مصلح کی زبان سے نکلتے ہیں، جو تمام انسانیت کو راہِ راست پر لانا چاہتا ہو۔ وہ کلمات سُن کر امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے فرمایا: ''**تلک خیالات تُربّی بها أطفال الطّریقة.**''

(یہ ایسے خیالات ہیں کہ جن سے طریقت کی تربیت حاصل کرنے والے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے)

یعنی اسی طرح اُن کے فطری جوہر کی تربیت ہوتی ہے۔''(71)

اس حقیقت کی نشان دہی خانوادۂ ولی اللّٰہی کی روایات بیان کرنے والے ایک اور مستند ذریعے سے ہوتی ہے۔ چناں چہ امیر شاہ خان صاحبؒ ''ارواحِ ثلاثہ'' میں بیان فرماتے ہیں:

''میرے استاذ میاں جی محمدی صاحب فرماتے تھے کہ: ''میں نے مولانا محمد اسحاق (دہلوی) صاحبؒ سے (نحو کی کتاب) ''**کافیہ**'' شروع کیا تھا۔ اور سید (احمد شہید) صاحبؒ جب تشریف لائے تو انھوں نے شاہ (محمد) اسحاق (دہلوی) صاحبؒ سے (صرف کی کتاب) ''**میزان**'' شروع کی تھی اور اتنی جلدی ترقی کی کہ نصف سے آگے مجھے ''**کافیہ**'' میں پکڑ لیا اور ''**کافیہ**'' ہی پڑھتے ہوئے انھوں نے (حدیث کی کتاب) ''**مشکوٰۃ**'' بھی شاہ (محمد اسحاق

www.rahimia.org

دہلوی) صاحبؒ سے شروع کر دی۔ اور کوئی کتاب مولوی (محمد) اسماعیل (شہید) صاحب سے بھی پڑھتے تھے۔''(72)

ظاہری تعلیم کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کو باطنی سلوک اور تزکیے کے حوالے سے تربیت کے لیے حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ کے سپرد کر دیا۔ اور تقریباً ڈھائی سال اُن کی خدمت میں رہ کر تربیتِ باطنی حاصل کی۔ چناں چہ امیر شاہ خان روایت کرتے ہیں:

''(شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے) سید صاحبؒ سے کہہ دیا کہ: ''میاں عبدالقادر کے ساتھ جاؤ۔'' شاہ عبدالقادر (دہلوی) صاحبؒ اپنے پاس اکبری مسجد میں لے آئے اور ایک حجرے میں رکھ لیا۔ اور اشغال (ذکر اذکار) کے لیے فرمایا کہ: ''میری سہ دری کے پاس بیٹھ کر کیا کرو۔'' سید (احمد شہید) صاحبؒ نے اُن کے حکم کی تعمیل کی اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے حکم کے مطابق ذکر و شغل کرتے رہے۔ اور جو جگہ شاہ عبدالقادر نے ان کو بتا دی تھی، سید صاحبؒ خواہ مینہ ہو یا آندھی، یا دھوپ، برابر اپنی جگہ بیٹھے رہتے تھے۔ اور جب تک شاہ صاحبؒ نہ کہتے تھے کہ اب یہاں سے اُٹھ جاؤ، اُس وقت تک نہ اُٹھتے تھے۔ شاہ صاحبؒ نے ڈھائی برس تک سید صاحبؒ کو اپنی خدمت میں رکھا اور پھر ان کو لے کر شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) کی خدمت میں آئے۔ اور شاہ صاحبؒ سے عرض کیا کہ: ''سید احمد حاضر ہیں۔ ان کو پرکھ لیجیے، پرکھا لیجیے۔'' شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ: ''میاں عبدالقادر! تم جو کچھ کہتے ہو، ٹھیک کہتے ہو۔ اب ان کو بیعت کی اجازت دے دو۔'' شاہ عبدالقادر (دہلوی) صاحبؒ نے عرض کیا کہ: ''حضرت! اجازت تو آپ ہی دیں گے اور ان سے آپ ہی کا سلسلہ چلے گا۔'' شاہ صاحبؒ نے ان کو بیعت کی اجازت دے دی۔''(73)

چناں چہ امیر شہید حضرت سید احمد شہیدؒ نے خود اپنے مکتوبات میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اپنی نسبت اور تعلق کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اپنے سلسلے کا شجرہ اس طرح بیان کیا ہے:

''ایں فقیر را انتسابِ بیعت و اجازت بہ جناب **قدوۃ العلماء و المحدّثین، و وارث الانبیاء و المرسلین، و حجّۃ اللّٰہ علی العالمین، و مولانا، و مرشدنا، شیخ عبدالعزیز** است۔ و ایشاں را بہ جنابِ والد ماجد خود شاہ ولی اللہ است۔ و ایشاں را بہ جنابِ والد ماجد خود شیخ عبدالرحیم است۔''(74)

(اس فقیر کو علما اور محدثین کے رہنما، انبیا اور مرسلین کے وارث، دنیا والوں پر اللہ کی حجت، مولانا و مرشدنا، جناب شیخ (شاہ) عبدالعزیز (دہلویؒ) سے بیعت کی نسبت اور اُن سے اجازت حاصل ہے۔ اور ان کو اپنے والدِ ماجد حضرت شاہ ولی اللہ سے اجازت حاصل ہے۔ اور ان کو اپنے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ سے اجازت حاصل ہے۔)

سید احمد شہیدؒ دہلی میں پانچ چھ سال تک ولی اللّٰہی سلسلے کے علما سے تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے بعد محرم الحرام ۱۲۲۳ھ/ فروری 1808ء کو واپس لکھنؤ تشریف لے گئے۔ ۱۲۲۶ھ (1811ء) تک تین چار سال آپؒ کا قیام رائے بریلی میں رہا۔ اس دوران آپؒ کی شادی ہوئی اور گھریلو ذمہ داریاں سرانجام دیتے رہے۔

www.rahimia.org

(ج) حضرت سید احمد شہیدؒ کی عسکری، دعوتی اور انتظامی تربیت

ولی اللّٰہی اصول پر ظاہری اور باطنی تربیت کے بعد عسکری امور میں مہارت کے لیے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ۱۲۲۶ھ/1811ء کے اواخر میں حضرت سید احمد شہیدؒ کو نواب امیرالدولہ ولد محمد امیر خان کے لشکر میں بھیج دیا۔ چناں چہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''۱۲۲۵ھ/1810ء (صحیح ۱۲۲۶ھ/1811ء ہے[75]) میں امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے انھیں تربیتِ عسکری کے لیے امیر خان (والیٔ ٹونک) کے لشکر میں بھیجا۔[76] ۱۲۳۱ھ/1816ء (صحیح شعبان ۱۲۳۳ھ/ جون 1818ء ہے[77]) میں جب امیر خان کی انگریزوں سے صلح ہوگئی تو واپس امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کی خدمت میں دہلی پہنچے۔''[78]

حضرت سید احمد شہیدؒ نے تقریباً چھ سات سال کا عرصہ نواب امیر خان صاحب کے لشکر میں گزارا۔ اس عرصے میں آپؒ کو عملی طور پر جنگی مہارت حاصل ہوئی اور نظم و ضبط قائم رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی۔ لیکن جب نواب صاحب انگریزوں سے صلح کرنے لگے تو حضرت سید احمد شہیدؒ نے انھیں منع کیا۔ چناں چہ ''وقائع سیّد احمد شہید'' میں ہے:

''آخرالامر (نواب صاحب کے نزدیک) فرنگی سے ملنے کی صلاح ٹھہری۔ حضرت سید المؤمنین و امام المجاہدین (سیّد احمد شہیدؒ) نے ہرچند فہمائش (سمجھانے کی کوشش) کی اور منع کیا کہ:

''حضور پُرنور (نواب صاحب)! کفار نصاریٰ سے نہ ملیں، بلکہ لڑیں۔ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ اگر آپ کو فتح ہوئی تو فھُوَ المُراد (یہی مقصد ہے)۔ اور اگر شہید ہوئے تو یہی بہتر۔ مگر ان سے ملنا اور مصافحہ کرنا بہت بُرا ہے۔''

نواب نامدار دولت مدار نے فرمایا کہ:

''حضرت! میں بھی یہی چاہتا ہوں، مگر ناچار کیا کروں! لشکر کا سامان درست نہیں، تمام لوگ خودغرض ہیں۔ آپس میں اتفاق نہیں۔ اس وقت (انگریزوں سے) ملنا ہی مناسب ہے۔ اُن سے دس پانچ لاکھ روپے لے کر ساز و سامانِ لشکر کا درست کر کے لڑیں گے۔''

حضرت نے فرمایا: ''مصالحت کرنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔''

نیز حضرت نے فرمایا کہ:

''اگر آپ نصاریٰ سے ملنے کو جاتے ہیں تو حضور (نواب صاحب) سے میں رُخصت ہوں۔''

حضور (نواب صاحب) نے بہتیرا (بہت) سمجھایا، مگر حضرت (سیّد احمد شہیدؒ) نے نہ مانا۔ چند آدمی ہمراہ لے کر وہاں سے جے پور کو چلے۔...

حضرت امیر المؤمنین، سید المجاہدین نے نواب صاحب سے کہا کہ:

''نواب صاحب! ابھی کچھ نہیں گیا۔ اختیار باقی ہے۔ اب بھی آپ کی فہمائش کو آیا ہوں۔ اگر میرا کہنا مان لو تو ان

www.rahimia.org

کافروں سے لڑو اور ہرگز نہ ملو۔ ان سے ملنے کے بعد آپ سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ یہ کفار بڑے دغا باز و مکار ہیں۔ آپ کے واسطے کچھ جاگیر یا تنخواہ وغیرہ مقرر کر کے کہیں بٹھا دیویں گے کہ روٹیاں کھایا کیجیے۔ پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی۔''(79)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے سمجھانے کے باوجود نواب امیر محمد خان نے جب انگریزوں سے صلح کر لی تو حضرت سید احمد شہیدؒ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں واپس دہلی تشریف لے آئے۔ اور آنے سے پہلے ایک خط لکھ کر صورتِ حال سے مطلع کیا۔ چناں چہ ''وقائع سیّد احمد شہیدؒ'' میں لکھا ہے:

''کئی دن کے بعد ایک نیاز نامہ حضرت خاتم المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیز کو لکھا کہ:

''یہ خاکسار، سراپا انکسار حضرت کی قدم بوسی میں عن قریب حاضر ہوتا ہے۔ یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔ نواب صاحب فرنگی سے مل گئے۔ اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں۔''

آخر الامر حضرت امیر المؤمنین سید المجاہدین وہاں سے ہمراہ صاحبزادہ ممدوح پُرفتوح (نواب وزیرالدولہ) کے بلدۂ مراد ''شاہ جہان آباد'' (دہلی) تشریف لے گئے۔ حضرت سید المجاہدین اجمیری دروازے کی سرائے میں آئے۔ رات کو وہیں رہے۔ صبح کو نہا دھو، پوشاک بدل کر واسطے ملاقات حضرت خاتم المحدثین پیر و مرشد کے تشریف لے گئے اور ملاقات مسرت آیات سے مشرف ہوئے اور پچیس روپے نذر دیے، آپؒ نے قبول کیے۔ پھر جو کچھ خاتم المحدثین حال لشکرِ ظفر پیکر کا استفسار کیا، جناب سید المجاہدین نے مشروحاً اظہار کیا۔''(80)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حکم سے حضرت سید احمد شہیدؒ ۱۲۳۳ھ/ 1818ء کے اواخر میں اتباعِ سنت اور جہاد و سیاست کی دعوت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سلسلے میں انھوں نے سب سے پہلے شمالی یوپی کے اضلاع سہارنپور، میرٹھ وغیرہ کا دورہ کیا۔ اور کم و بیش چھ سات مہینے تک ان علاقوں کے سفر پر رہے۔ آپؒ کے ہمراہ حضرت مولانا عبدالحئی بڑھانویؒ، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے علاوہ اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''پھر 1816ء (صحیح ۱۲۳۳ھ/1818ء ہے) میں اتباعِ سنت اور جہاد کی دعوت کے لیے امام مقرر کر دیا۔ اور آپؒ کے ساتھ علما میں سے صدر السعید (مولانا عبدالحئی بڑھانویؒ) اور صدر الشہید (شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) کو بطورِ وزیر مقرر کر دیا۔ اور تمام کاموں کے لیے ان تینوں کی شوریٰ بنا دی۔ جس حکمتِ عملی پر یہ تینوں اتفاق کر لیں تو وہ امام عبدالعزیز دہلوی کے حکم کی حیثیت رکھتی تھی۔''(81)

اس پورے سفر کے دوران حضرت سید احمد شہیدؒ کا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے مسلسل رابطہ رہا ہے۔ اور جو ضرورت ہوتی، اس کا اظہار اپنے خطوط میں فرماتے۔ چناں چہ ''وقائع سید احمد شہیدؒ'' میں میاں دین محمد کا بیان ہے:

''حضرت (سید احمد شہید) نے سہارن پور جا کر جناب خاتم المحدثین شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ العزیز کو لکھا کہ:

''دین محمد کو ہمارے پیچھے ضرور بھیج دیویں۔'' میں ہر روز کھانا حضرت خاتم المحدثین کے پاس کھاتا تھا اور رات کو اکبر آبادی مسجد میں رہتا تھا۔ حضرت نے مجھ کو فرمایا کہ: تم کو سید صاحب نے بلایا ہے، سو تم سہارن پور کو جاؤ۔''(82)

www.rahmia.org

اس سفر کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئی بڑھانویؒ نے جہاد و سیاست کی نوعیت بیان کرنے کے لیے ''ولایتِ نبوت'' کی اہمیت واضح کی اور اس کو ولی اللّٰہی اصول پر منظّم اور مربوط انداز میں پیش کرنے کے لیے ایک بہترین کتاب ''صراطِ مستقیم'' لکھی۔ اس سلسلے میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''ان (تینوں) حضرات نے کتاب ''صراطِ مستقیم'' لکھی۔ انھوں نے اس میں ولایتِ نبوت کے طریقے کو منضبط کر دیا۔ اور اسے صوفیا کے طریقوں: قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور مجددیہ کا مرکز و محور بنا دیا۔ اور قطب المحقّقین، کامل عارفوں کے فخر، اللہ کو زیادہ جاننے والے شیخ، (امام) ولی اللہ دہلوی قدس سرہٗ کی اصطلاحات سے اس طریقۂ ولایتِ نبوت کی مطابقت پیدا کی۔''(83)

اس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حضرت سید احمد شہیدؒ کی عسکری اور سیاسی تربیت کے ساتھ ساتھ اتباعِ سنت اور جہاد کی دعوت کے ملک گیر دوروں کے ذریعے تربیت کا اعلیٰ معیار قائم کر دیا۔ اسی کے نتیجے میں حضرت سید احمد شہیدؒ امامت اور امارت کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوئے۔ چناں چہ مولانا سندھیؒ ایک جگہ لکھتے ہیں:

''امام عبدالعزیز کے بعد (اُن کے) اَتباع کا جو طبقہ تحریک کے مرکز کا مالک بنا ہے، ان کے امام امیر شہید ہیں۔ ان کی قوتِ کشفیہ نے عوام میں انقلابی لہر پیدا کر دی۔ امام عبدالعزیز کے تیار کردہ علما کو اور عوام کو ایک پروگرام کا پابند بنانا امیر شہید کا کمال ہے۔ خدمتِ خلق اور اتباعِ سنت کے فطری اوصاف نے انھیں امامت اور امارت کے اعلیٰ رتبے پر پہنچا دیا تھا۔''(84)

(د) حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیاسی جدوجہد

اس کے بعد ۱۲۳۶ھ/ جولائی 1821ء میں حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے زیرِ نگرانی حضرت سید احمد شہیدؒ نے عملی سیاسی جدوجہد کا آغاز کر دیا۔ اور اس کے لیے ابتداءً سفرِ حج کے ذریعے سے اپنی طاقت کو منظّم کیا اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حکم سے حج کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کا سبب بھی یہ تھا کہ حج کی فرضیت کے حوالے سے اس زمانے میں بعض علما کی جانب سے شکوک و شبہات پیدا کرنے اور اس کی ادائیگی کے لیے شرائط نہ پائے جانے کی باتیں ہو رہی تھیں۔ اور اس سلسلے میں بعض لوگوں نے فتوے بھی جاری کیے۔ ان کے جواب میں حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئی بڑھانویؒ نے حج کی فرضیت کے لیے فتویٰ دیا۔ سید صاحبؒ نے یہ دونوں فتاویٰ آخری فیصلے کے لیے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی خدمت میں روانہ کیے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے حتمی فیصلہ کرتے ہوئے لکھا:

''(۱) علومِ دینیہ اور عقلیہ میں اسماعیل اور عبدالحئی کا پایا مجھ سے کم نہیں ہے۔

(۲) جن لوگوں نے فریضۂ حج کو ساقط قرار دیا، ان کے سامنے فتاویٰ کی دو چار مشہور کتابوں کے سوا کچھ نہیں۔ حال آں کہ ان کتابوں کی سند ہرگز بلند نہیں۔ اور جن معتبر کتابوں پر دین کا مدار ہے، ان سے یہ لوگ بہرۂ وافر نہیں رکھتے۔

(۳) ان کے لگائے ہوئے حکموں پر عمل پیرا ہونا سراسر گمراہی ہے۔

(۴) جن حضرات نے آج فرضیتِ حج کے اسقاط کا فتویٰ دے دیا ہے، کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کل نماز روزے کی معافی کا حکم نہ لکھ دیں گے۔ زکوٰۃ تو ان کے نزدیک بدرجہ اولیٰ ساقط ہوگی۔''(85)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے اس فتوے کی آمد کے بعد حضرت سید صاحبؒ شوال ۱۲۳۶ھ/ جولائی 1821ء میں حج کے لیے اپنے وطن رائے بریلی سے روانہ ہوئے۔ اور شعبان ۱۲۳۷ھ/ مئی 1822ھ میں مکہ معظّمہ میں داخل ہوئے اور ذی الحج ۱۲۳۷ھ (اگست 1822ء) میں آپؒ نے حج کیا۔ مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ:

''حج کے موقعے پر مولانا عبدالحئیؒ (بڈھانویؒ) نے حرمِ پاک میں ''مشکوۃ شریف'' اور شاہ محمد اسماعیل (شہیدؒ) نے ''حُجّة اللّٰه البالغه'' کا درس دینا شروع کر دیا تھا۔ مولانا عبدالحئیؒ نے ''صراطِ مستقیم'' کا عربی میں ترجمہ کیا۔ جس کی نقلیں بعض اصحاب نے لے لیں۔''(86)

حج کے بعد آپؒ مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور واپس آ کر پھر چھ ماہ مکہ معظّمہ میں قیام رہا۔ ۱۵/ شوال ۱۲۳۸ھ/ 25/ جون 1823ء کو مکہ معظّمہ سے ہندوستان واپسی کا سفر شروع کیا۔ اور ۲۹/ شعبان ۱۲۳۹ھ/ 29/ اپریل 1824ء کو واپس رائے بریلی پہنچے۔ حج کے سفر کے دوران ایک دفعہ سید صاحبؒ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ طواف میں (مجھے) خیال آیا کہ اہل و عیال ساتھ ہیں، اب ہندوستان کیوں واپس جاؤں، جو دارالحرب ہے۔ بہتر ہے حرم پاک ہی میں بیٹھا رہوں۔ لیکن غیب سے اشارہ ہوا کہ تم یہاں بیٹھے رہو گے تو ہم اپنا کام کسی دوسرے سے لیں گے۔ اس پر واپسی کا ارادہ پختہ ہو گیا۔''(87)

حج سے واپسی پر حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئیؒ بڈھانویؒ جہاد کی تیاری اور اس سلسلے کی دعوت دیتے رہے۔ اور پھر بالآخر ۷/ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۱ھ/ 17/ جنوری 1826ء کو حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں ولی اللّٰہی سیاسی جماعت نے ہندوستان بھر میں اس سلسلے کی تحریک کو فروغ دینے کے لیے عملی اقدام شروع کیا۔ اور طے شدہ حکمتِ عملی کے تحت ہندوستان پر قابض انگریز اور اُن کی ذیلی طاقتوں کے خلاف عملی طور پر جہاد کے لیے قوت جمع کرنا شروع کر دی۔ چناں چہ مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''اس کے بعد انھوں نے (شوال) ۱۲۳۶ھ/ (جولائی) 1821ء میں جہاد کی دعوت کا اعلان کر دیا۔ اور (عملی طور پر) اس کی ابتدا انھوں نے حج کے (اجتماعی) اعمال سے کی۔ (چناں چہ ذوالحج ۱۲۳۷ھ/ 1822ء میں آپؒ نے حج ادا کیا۔) ۱۲۳۹ھ/ 1824ء میں وہ اس سے فارغ ہوئے۔ اور ۱۲۴۱ھ/ 1825ء میں انھوں نے جہاد کے لیے قوت جمع کرنی شروع کر دی۔ پھر افغان شہروں اور پہاڑی علاقوں کی طرف ہجرت کی۔''(88)

حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلی سے چل کر گوالیار پہنچے اور مہاراجہ گوالیار دولت راؤ اور اس کی ریاست کے منتظم راجہ ہندو راؤ سے ملاقات کی۔ پھر گوالیار سے ٹونک تشریف لائے اور نواب ٹونک امیر محمد خان کے ہاں قیام فرمایا۔ اور وہاں سے اجمیر اور پھر پالی (راجپوتانہ)، اس کے بعد حیدر آباد (سندھ)، وہاں سے ۱۷/ ذوقعدہ ۱۲۴۰ھ/ 3/ جولائی 1826ء کو پیر جو گوٹھ میں پیر سید

صبغت اللہ شاہ راشدی کے پاس تشریف لائے۔ وہاں 13 روز قیام کے بعد شکار پور (سندھ) تشریف لے گئے۔ موسم کی شدت اور گرمی کی وجہ سے وہاں ٹھہرنا پڑا اور ۲۴/ ذوالحج ۱۲۴۱ھ/ 20/ جولائی 1826ء کو شکار پور سے روانہ ہوکر درۂ بولان سے ہوتے ہوئے کوئٹہ تشریف لائے۔ اور ۱۵/ محرم الحرام ۱۲۴۲ھ/ 22/ اگست 1826ء کو کوئٹہ سے روانہ ہوکر ۲۸/ محرم ۱۲۴۲ھ/ یکم/ ستمبر 1826ء کو قندھار پہنچے۔ وہاں سے غزنی تشریف لائے اور سلطان محمود غزنویؒ کے مقبرے ''روضہ'' میں قیام فرمایا۔ اور ۲۵/ صفر ۱۲۴۲ھ/ 28/ ستمبر 1826ء کو غزنی سے روانہ کر کابل تشریف لائے۔ کابل میں تقریباً ڈیڑھ ماہ قیام رہا۔ کابل سے روانہ ہوکر نومبر 1826ء کے آواخر میں پشاور پہنچے اور تین چار دن قیام کے بعد چارسدہ تشریف لے گئے۔ چارسدہ سے روانہ ہوکر ۱۸/ جمادی الاولیٰ ۱۲۴۲ھ/ 18/ دسمبر 1826ء کو ایک چھوٹی بستی ''خویشگی'' پہنچے اور اگلے دن نوشہرہ کلاں تشریف لائے۔ اس وقت حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ غازیوں کی تعداد پندرہ سو تھی۔ پانچ سو ہندوستانی، دو سو سے کچھ اوپر قندھاری اور آٹھ سو کے قریب یاغستانی علاقے کے رہنے والے لوگ تھے۔ اس کے بعد رنجیت سنگھ کے سپہ سالار بدھ سنگھ سے اکوڑہ کے مقام پر پہلی لڑائی ہوئی۔ اس طرح امیر شہید حضرت سید احمد شہیدؒ کی قیادت میں ولی اللّٰہی سیاسی جماعت نے عملی طور پر پہلی جنگ میں شرکت کی۔ (89)

ان تمام اسفار کے دوران حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور حضرت مولانا عبدالحیٔ بڈھانویؒ پر مشتمل ولی اللّٰہی جماعت نے ہندوستان بھر میں غلبہ دین کی اہمیت اور اس کے لیے بھرپور سیاسی تحریک کا شعور پیدا کرنے کا کام کیا اور اسی کے ساتھ یاغستان کے علاقے کو اپنا مرکز بنا کر عسکری جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد انگریز سامراج کو اس برعظیم سے نکالنا رہا ہے۔ اور ہندوستان میں بسنے والے تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کو آزادی سے ہم کنار کر کے عدل و امن کی زندگی بسر کرنے کے مواقع مہیا کرنا تھا۔ چناں چہ حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

> ''حضرت شاہ ولی اللہ اور پھر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمتہ اللہ علیہما نے اپنے ارشاد و ہدایت سے جس انقلابی پارٹی کی داغ بیل ڈالی تھی، آخر کار اس نے انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں سید احمد صاحب شہیدؒ اور ان کی جماعتِ حقہ کے روپ میں جنم لیا۔ حضرت سید صاحب اور آپ کے رفقائے کار نے اپنی نواہائے آتشیں (جوش و جذبے سے بھرپور تقریروں کے ذریعے) سے تمام ملک میں آگ لگا کر ایک ایسی بڑی جمعیت پیدا کرلی جو ملک کو ہر قسم کے شر و فساد اور ظلم و جور سے پاک وصاف کر دے اور مسلمان دوسرے ارباب مذہب کے ساتھ عزت و خود داری کی زندگی بسر کرنے کے قابل ہوسکیں۔''(90)

چناں چہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے صحیح نظریات کا اندازا اُن خطوط سے ہوتا ہے، جو انھوں نے مختلف لوگوں کے نام لکھے ہیں۔ شاہِ بخارا کے نام اپنے ایک خط میں ہندوستان پر قابض انگریز سامراج کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''چند سالوں سے اس ملک کی حکومت اور سلطنت کا حال یہ ہے کہ بُری عادتوں میں مبتلا عیسائی اور غلط مقاصد رکھنے والے مشرکین نے ہندوستان کے اکثر شہروں؛ دریائے سندھ سے بنگال کے دریائے شور پر قبضہ کرلیا ہے۔ یہ اتنا بڑا ملک ہے کہ انسان پیدل چلے تو ایک سرے سے دوسرے تک پہنچنے میں چھ مہینے لگ جائیں۔ انھوں نے خدا کے دین کو ختم کرنے کے لیے شکوک و شبہات اور مکر و فریب کا جال پھیلا دیا ہے۔ اور ہندوستان کے تمام خطوں کو ظلم و کفر

کے اندھیروں سے بھر دیا ہے۔''(91)

اسی طرح ایک دوسری جگہ حضرت سید احمد شہیدؒ لکھتے ہیں:

''جو فرنگی ہندوستان پر قابض ہوئے ہیں، وہ بے حد تجربہ کار، ہوشیار، حیلہ باز اور مکار ہیں۔''(92)

اس طرح حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی جماعت کا ہدف انگریزوں سے آزادی دلانا تھا۔ اور اس کے لیے حکمتِ عملی کے طور پر پہلے انگریزوں کے تسلط سے آزاد علاقے یاغستان میں اپنی عارضی قومی حکومت قائم کرنا اور پھر بتدریج لاہور، دہلی اور کلکتہ تک اس سیاسی جدوجہد کو آگے بڑھانا تھا۔ اور اس کے لیے ہندوستان کی تمام قوتوں کو اپنے ساتھ شامل کرنا تھا۔ چناں چہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

''سید صاحب کا اصل مقصد چوں کہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا، جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بنا پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو بھی شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انھیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟ اس سے آپ کو غرض نہیں ہے۔ جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے ہندو ہوں یا مسلمان، یا دونوں، وہ حکومت کریں گے۔ چناں چہ اس سلسلے میں سرحد سے گوالیار کے مدارالمہام اور مہاراجہ دولت رائے سیندھیا کے وزیر و برادرِ نسبتی راجہ ہندو راؤ کو آپ نے جو خط تحریر فرمایا ہے، وہ غور سے پڑھنے کے قابل ہے۔ اس سے آپ کے اصلی عزائم اور ملکی حکومت کے متعلق آپ کے نقطہ نظر پر روشنی پڑتی ہے۔''(93)

مہاراجہ گوالیار کے نام حضرت سید احمد شہیدؒ کا خط درجِ ذیل ہے:

''جنابِ عالی کی رائے پر روزِ روشن کی طرح یہ واضح ہے کہ وطن سے بہت دور کے اجنبی لوگ (بیگانگانِ بعید الوطن) ہماری زمین اور زمانے کے مالک بن گئے۔ اور سودا بیچنے والے تاجر تختِ سلطنت پر بیٹھ گئے۔ انھوں نے بڑے اُمرا اور ریاستوں کے سربراہوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ اور ان کی عزت و اعتبار خاک میں ملا دی۔ جب سیاست اور حکومت کے اہل لوگ گوشۂ عافیت میں جا کر بیٹھ گئے تو مجبور ہو کر چند غریب اور بے سر و سامان لوگوں نے کمر ہمت باندھ لی۔ یہ کمزور جماعت محض ربّ العالمین کے دین کی خدمت کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔ اس جماعت کے لوگ ہرگز ہرگز دنیا کے جاہ مرتبے کو حاصل کرنا نہیں چاہتے، محض ربّ ذوالجلال کے دین کی خدمت کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ کوئی مال اور دولت اکٹھا کرنا اُن کا مقصد نہیں ہے۔ جس وقت ہندوستان ان اجنبی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا، اور ہماری جدوجہد کا مقصد پورا ہو جائے گا، تو آئندہ حکومت اور سیاست کے منصب انھی لوگوں کو ملیں گے، جو اس کے اہل ہوں گے۔ اس طرح ہمارے ملکی حکمرانوں کی شان و شوکت مستحکم ہوگی۔ ہم کمزور لوگوں کی تو صرف یہ خواہش ہے کہ اس خطے کے بڑے لوگ اور عزت و احترام رکھنے والے افراد اسلام کی خدمت دل و جان سے کریں۔ اور اپنی قومی مملکت کی مسند پر برقرار رہیں۔''(94)

اسی طرح ریاست گولیار کے ایک مسلمان عہدے دار غلام حیدر خان کو تحریر فرماتے ہیں:

www.rahimia.org

''ایسی صورت میں جو وقت آپ مناسب دیکھیں، اُس میں ریاستِ (گوالیار) کے حکمران، سیاست کے تخت پر براجمان، عظمت نشان راجہ ہندو رائے کو یہ بات اچھی طرح سمجھا دیں کہ ہندوستان کے اکثر شہر غیر ملکیوں کے قبضے میں چلے گئے ہیں۔ اور انھوں نے ہر جگہ ظلم و زیادتی شروع کر رکھی ہے۔ ہندوستان کے سربراہانِ ریاست کی حکومت برباد کر کے رکھ دی ہے۔ کوئی ان کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا، بلکہ ہر آدمی اُن کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے۔ جب بڑے بڑے اہلِ حکومت اُن کے مقابلے سے ہٹ کر پیچھے بیٹھ گئے، مجبوراً تھوڑی مقدار میں چند کمزور لوگوں نے کمر ہمت باندھ لی۔ پس اس صورت میں مسندِ حکومت پر سال ہا سال سے بیٹھنے والے بڑے سرداروں پر لازم ہے کہ وہ عملاً ان کمزور لوگوں کی مدد کرنے میں انتہائی جدوجہد اور کوشش کریں۔ اور اس کام کو اپنی ریاست اور حکومت کے استحکام میں سے شمار کریں۔''(95)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے سیاسی کردار کا تجزیہ کرتے ہوئے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

''حضرت سید (احمد شہید) صاحب (مرحوم) کے ان خطوط کو غور سے پڑھنے کے بعد تجزیہ کیجیے تو حسبِ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے:

(۱) آپ انگریزوں کو ''بیگانگانِ بعید الوطن'' (دور وطن کے اجنبی) اور پردیسی سمجھتے تھے اور ان کے استیلاء وتغلب (زبردستی قبضے) سے تنگ آ کر ان سے لڑنے کا عزم رکھتے تھے۔

(۲) آپ ہندوستان کو اپنا ملک اور وطن سمجھتے تھے۔

(۳) جہاد سے آپ کا مقصد خود اپنی حکومت قائم کرنا ہرگز نہیں تھا، بلکہ دین ربّ العالمین کی خدمت تھا۔

(۴) ہندوؤں سے اختلافِ مذہب کی بنا پر آپؒ کو پرخاش تو کیا ہوتی، آپ (ایسٹ انڈیا) کمپنی کے ہاتھوں مظلومیت و پامالی میں ہندو اور مسلمان دونوں کو یکساں شریک جانتے تھے اور جہاد سے آپ کی غرض دونوں کو ہی اجنبی اقتدار کی مصیبت سے نجات دلانا تھا۔

(۵) کامیاب ہونے کے بعد ہندوستان میں ملکی حکومت کا نقشہ کیا ہوگا، اس کا فیصلہ آپؒ طالبین مناصب ریاست وسیاست پر چھوڑتے ہیں، مگر ہندوؤں کو یہ اطمینان ضرور دلاتے ہیں کہ وہ سید صاحب کی کوششوں کو اپنی ریاست کی بنیاد کے مستحکم ہونے کا باعث سمجھیں اور پھر سید صاحب کا ہندو ریاستوں کو مدد اور شرکت جنگ کی دعوت دینا اور اپنے توپ خانے کا افسر راجہ رام راجپوت کو مقرر کرنا، خود اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ہندوؤں کو اپنا محکوم نہیں بلکہ شریک حکومت بنانا چاہتے تھے۔

بے شک سید صاحب جگہ جگہ ''**اعلاءِ کلمة اللّٰه**'' (اللہ کے دین کو غالب کرنے) اور ''**دینِ ربّ العالمین**'' (رب العالمین کے دین) کی خدمت کا ذکر کرتے اور اسی کو اپنی مساعی کا محرک بتاتے ہیں، لیکن آپ یہ خوب سمجھتے تھے کہ ''**اعلاءِ کلمة اللّٰه**'' کا ذریعہ صرف یہ ہی نہیں ہے کہ ایک فرقہ وارانہ گورنمنٹ قائم کی جائے اور خود حاکم بن کر دوسرے برادرانِ وطن کو اپنا محکوم بنایا جائے، بلکہ اس کا سب سے زیادہ مؤثر طریقہ یہ ہے کہ برادرانِ وطن کو سیاسی

www.rahimia.org

اقتدار میں اپنا شریک کر کے اسلامی فضائلِ اخلاق سے ان کے دلوں کو فتح کیا جائے۔

اقلیت اور اکثریت کے مسئلے کی کوئی پیچیدگی آپ کے ذہن میں نہیں تھی، کیوں کہ آپؒ کے نزدیک یہ دونوں بے حقیقت چیزیں تھیں، جو اپنے عمل میں سب سے زیادہ پر جوش فداکار، سرگرم اور مخلص و دیانت دار ہوگا، امامت اور لیڈر شپ اسی کے ہاتھ میں رہے گی۔ خواہ اقلیت کے فرقے سے تعلق رکھے یا اکثریت کے فرقے سے۔ قرآن مجید کی آیت كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ(96) (کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں، جو بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے غالب آجاتی ہیں) آپؒ کے لیے مشعل راہ تھی۔ اقلیت میں ہونے کا خوف وہراس اور وسوسہ واندیشہ صرف اسی شخص یا گروہ کو ہوسکتا ہے جو سست عمل، کمزور اور سبک مایہ ہو اور جو اپنے بچاؤ کے لیے خارجی قلعہ بندیوں کا محتاج ہو۔''(97)

8۔ صدرالشہید حضرت شاہ محمد اسماعیل دہلوی شہیدؒ: ''روح الانقلاب''

حضرت سید احمد شہیدؒ کے دستِ راست اور ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کی ''انقلابی روح'' حضرت شاہ محمد اسماعیل دہلوی شہیدؒ ہیں۔ انھوں نے نہ صرف اپنے دادا حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے علوم و افکار کو دور کے تقاضوں کے مطابق مرتب اور مدوّن کیا، بلکہ حضرت امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے حکم پر حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ پھر ان کے زیرِ کمان اس سیاسی تحریک اور اس کی قائم کردہ حکومت کو چلانے میں اہم کردار ادا کیا۔ امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ان کے بارے تحریر فرماتے ہیں:

''اس دور میں حزبِ ولی اللہ میں ایک ایسا انسان بھی پیدا ہوا، جو نہ امیر تھا نہ امام، لیکن اپنی مبارک زندگی اور شہادت سے اپنے جدِ امجد (حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ) کی تحریک کو زندہ کر گیا۔ وہ مولانا محمد اسماعیل شہید بن عبدالغنی بن ولی اللہؒ ہے۔''(98)

نیز مولانا سندھیؒ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا (شاہ محمد اسماعیل) شہیدؒ فرماتے تھے کہ:

''میرا اس سے زیادہ کوئی کمال نہیں کہ میں اپنے دادا کی بات سمجھ کر اسے اپنے موقع پر بٹھا دیتا ہوں۔''

مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ: ''حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے:

(الف) ''عبقات'' کے پہلے اشارے میں ''شیخ اکبرؒ'' (محی الدین ابن عربیؒ) اور ''امام ربانیؒ'' (مجدد الف ثانیؒ) کے مسالک ''وحدت الوجودؒ'' اور ''وحدت الشہودؒ'' کا فرق واضح کر کے ہر ایک فکر کے فوائد ضبط کرنے کے بعد امام ولی اللہ (دہلویؒ) کو دونوں بزرگوں سے بلند ثابت کیا ہے۔

(ب) ''صراطِ مستقیم'' میں الامیر الشہید کے مکشوفات اور ملفوظات لکھتے ہیں، مگر امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کے بعد۔ گویا وہ ہر ایک امام کو امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی میزان پر تولنے کے بعد قبول کرتے ہیں۔

(الف) امام ولی اللہ (دہلویؒ) نے ''خیر القرون'' کے علوم تحریر کیے ہیں اور خواص کو پڑھایا۔ اس کے بعد امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے خواص کو تعلیم دے کر انھیں عوام کی تعلیم کا واسطہ بنایا۔ الصدر الشہید (مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ) نے ہند کی مرکزی سوسائٹی (دہلی) کو ان علوم سے رنگین بنایا۔

(ب) ہمارا خیال ہے کہ اگر الصدر الشہید کے ساتھیوں کی خدمات مقبول نہ ہوتیں تو امام ولی اللہ کے علوم پر دو سو برس بعد آج بحث کرنا ناممکن ہو جاتا۔ اسی انقلابی روح نے ان علوم کو زندہ کر دیا ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ الصدر الشہید کو اگر خلافتِ کبریٰ سونپی جاتی تو اسے فاروقِ اعظمؓ کی طرح چلاتے۔ امیر شہید (حضرت سید احمد شہیدؒ) نے انھیں خدمتِ خلق پر اپنے اسوۂ حسنہ سے لگایا تو وہ گھوڑوں کے لیے گھاس کھودتے تھے۔''(99)

9۔ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کی اساس پر حکومت کا قیام (1827ء تا 1831ء)

امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے جو جماعت تیار کی، حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیاسی قیادت میں اس کی جدوجہد اور کوشش سے ہندوستان کے ایک خطے میں عارضی قومی حکومت قائم ہوئی۔ جس نے مزید آگے بڑھ کر لاہور، دہلی اور کلکتہ تک اپنی حکمرانی کو بڑھانا تھا۔ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کی اساس پر قائم اس قومی حکومت سے متعلق بنیادی امور درجِ ذیل ہیں۔

(الف) اس قومی حکومت کے قیام کا تاریخی پس منظر

اس قومی حکومت کے تاریخی پس منظر واضح کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''امام ولی اللہ (دہلویؒ ''خیر کثیر'' میں) دعویٰ کرتے ہیں کہ ہند کے مسلمانوں سے اپنی حکومت قائم کرنے کی طاقت اس وقت افاغنہ (افغانیوں) کی طرف منتقل ہو چکی ہے۔(100) ہم جانتے ہیں کہ افاغنہ (افغانیوں) بھی ہندوستانی اقوام میں سے ایک قوم ہے، جس میں ایرانی، ترکی، اسرائیلی، عربی قبائل مخلوط ہو چکے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ اسی غرض سے امام (شاہ) عبدالعزیز (دہلویؒ) اپنی انقلابی پارٹی کو افغانوں سے ملانا ضروری کہتے ہیں۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے آخری کاموں کا مرکز الامیر الشہید اور مولانا عبدالحئیؒ اور مولانا محمد اسماعیل کا اجتماع تھا۔ ان کے لیے افغانستان کی ہجرت کا فیصلہ امام عبدالعزیز نے کیا تھا۔ اگرچہ عمل ان کی وفات کے بعد شروع ہوا۔''(101)

مولانا سندھیؒ مزید لکھتے ہیں:

''انگریز دہلی میں ۱۲۱۸ھ مطابق 1803ء میں داخل ہوئے۔ امام عبدالعزیز دہلویؒ نے بعض اہل علم کے برخلاف دہلی کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ جاری فرمایا۔ اور اپنے والد حکیم الہند امام ولی اللہ دہلویؒ کے نظریات پر ایک سیاسی جماعت منظّم کرنے کی جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس سیاسی جماعت میں عام لوگوں کی شمولیت کو آسان بنانے کے لیے یہ ضروری سمجھا کہ اس جماعت کا امیر وہ ہو، جو اہل بیت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نسبی تعلق رکھتا ہو۔

چناں چہ ۱۲۲۲ھ (صحیح یہ ہے: ۱۲۱۸ھ/1803ء) میں امیر شہید سید احمد بریلویؒ، آپؒ کے شاگردوں میں داخل

www.rahimia.org

ہوئے۔ وہ سید ابوسعید بریلوی ولی اللّٰہیؒ کے خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کا سلسلۂ نسب امام حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کی اولاد میں امام نفسِ زکیہؒ کے ساتھ جا ملتا تھا۔ امام عبدالعزیزؒ نے ۱۲۲۵ھ (صحیح یہ ہے: ۱۲۲۷ھ/1812ء) میں انھیں عسکری تربیت کے حصول کے لیے بھیجا۔ وہ اس سے ۱۲۳۱ھ (1816ء) میں فارغ ہوئے۔ اس کے بعد امام عبدالعزیز دہلویؒ نے انھیں دین کے شعائر کو غالب کرنے کی دعوت دینے کے لیے امیر مقرر کیا۔ کہ وہ:

(الف) معاشرتی اور معاشی اصلاح کر کے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں حد درجہ جدوجہد کریں۔

(ب) دین متین کے غلبے کے لیے جہاد کریں۔

صدر السعید مولانا عبدالحیٔ دہلویؒ اور صدر الشہید مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ اس عظیم مہم میں آپؒ کے ساتھ دو وزرا کی حیثیت سے رہے۔ جب کہ صدر الحمید مولانا محمد اسحاق دہلویؒ دہلی ہی میں مقیم رہے۔ تا کہ وہ امام عبدالعزیزؒ کی اعانت اور ان کی نیابت کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ اس لیے کہ امام عبدالعزیزؒ اپنی آخری عمر میں آشوبِ چشم کی وجہ سے نابینا ہو گئے تھے۔

اس جماعت نے ہندوستان کے بہت سے علاقوں کا سفر کیا۔ اور ۱۲۳۶ھ (1821ء) میں دین حق کے داعی تمام بستیوں اور شہروں میں پھیلا دیے۔ اور انھوں نے جہاد کی دعوت کا اعلان کر دیا۔ محرم ۱۲۴۱ھ (1825ء) میں سندھ، قندھار اور کابل سے ہندوستان کی سرحد پر واقع افغان علاقے کے پہاڑوں کی جانب ہجرت کا آغاز ہوا۔ اور پھر ۱۲/ جمادیٰ الثانیہ ۱۲۴۲ھ (11/ جنوری 1827ء) کو پنجتار میں عارضی ہندوستانی حکومت قائم کی۔''(102)

(ب) حکومت کا قیام اور اس کے حقیقی مقاصد و اہداف

حضرت سید احمد شہیدؒ نے یہ حکومت کیوں قائم کی، اور اس کے مقاصد و اہداف کیا تھے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت سید صاحبؒ، والیٔ افغانستان سردار دوست محمد خان کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اللہ تبارک و تعالیٰ کی تائیدات میں سے ایک یہ ہے کہ اگرچہ مجاہدین کے لشکر کا اجتماع زیادہ سے زیادہ ہو گیا ہے، لیکن اس کے باوجود یہ لشکر بغیر کسی سربراہ کے عمومی بلوے کی شکل اختیار کرتا جا رہا تھا۔ اور لشکر کے کوچ اور کسی جگہ پر ٹھہرنے کا نظم و نسق نہیں تھا۔ اس بنا پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکامات اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور فقہائے عظام کے فتوؤں اور سمجھ دار اور عقل مند لوگوں کے مشورے کی بنا پر اس وقت کی مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کے اس عظیم رکن کو قائم کرنے کی کوئی شکل حکمران کے انتخاب کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس وجہ سے ۱۲/ جمادی الثانیہ ۱۲۴۲ھ (11/ جنوری 1827ء) کو مشہور ساداتِ کرام اور مشہور علما اور مشائخ عظام، محترم صاحبزادگان اور بلند مرتبت خوانین کرام اور اہل ایمان و اسلام کے جمہور خاص و عام کے اتفاق سے اس فقیر کے ہاتھ پر امامت کی بیعت ہوئی ہے۔ اور جمعہ کے دن اس فقیر کے نام کا خطبہ پڑھا گیا ہے۔

اس خاکسار اور عاجز ذرۂ بے مقدار نے اس بلند مرتبے کا حصول سب سے پہلے تو اشاراتِ غیبی اور شک و شبہے

www.rahimia.org

سے پاک الہامات کی خوش خبری کی بنیاد پر قبول کیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس منصب کا حصول اہل اسلام کے خواص و عوام کی جماعتوں کے اتفاقِ رائے سے ہوا ہے۔ لیکن ربّ غیور، جو کہ دلوں کی بات کو جانتا ہے اور جس کے سامنے تمام ظاہری اور چھپی ہوئی باتیں ظاہر ہیں، اس بات پر گواہ ہے کہ اس فقیر نے اس منصب کو قبول اس لیے کیا ہے کہ اس کے ذریعے سے جہاد کا نظام قائم کیا جائے، جمعہ اور عیدین صحیح طور پر ادا کی جائیں، اور اسی طرح کے دین کے دیگر احکامات کو غالب کرنے کے لیے ہے۔

دنیاوی اغراض میں سے کوئی اور غرض، جیسا کہ مال و عزت کا حصول یا جاہ و سلطنت کا ایسا حصول، جس کے ذریعے سے بستیوں، شہروں، علاقوں اور اضلاع پر قبضہ کیا جائے اور وہاں کے اہل سیاست و ریاست کو ذلیل کیا جائے اور وہاں کے سربرآوردہ لوگوں کی اہانت کی جائے اور اپنے ذاتی احکامات اللہ کے بندوں پر مسلط کیے جائیں، اور اپنے بھائیوں اور دوستوں پر ظلم و تکبر کیا جائے، وغیرہ وغیرہ، ہرگز ہرگز پیش نظر نہیں۔ اور کسی قسم کا شیطانی وسوسہ اور ذاتی خواہشات کا شائبہ اس رحمانی مقصد و ہدف میں قطعاً شامل نہیں ہے۔''(103)

ولی اللّٰہی سیاسی جماعت کی یہ حکومت کوئی مستقل حکومت نہیں تھی، بلکہ جیسا کہ سید صاحبؒ نے لکھا ہے کہ یہ اس خطے میں لشکر کو منظّم کرنے اور غلبہ دین کے دیگر مقاصد کو پورا کرنے کے لیے قائم کی گئی ہے۔ اس کی اساس پر آگے بڑھ کر ہندوستان میں قومی حکومتی نظام قائم کرنا مقصود تھا۔ جیسا کہ مہاراجہ گوالیار کے نام حضرت سید صاحبؒ کے خط سے بالکل واضح ہوتا ہے۔

اسی تناظر میں اس حکومت کی صحیح نوعیت کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ لکھتے ہیں:

''حکومت کی مصلحت میں ہماری تحقیق حزب کی آمریت (پارٹی کی ڈکٹیٹرشپ) تو مان سکتی ہے، مگر کسی فرد کے ڈکٹیٹر بننے کو ہم قبول نہیں کر سکتے۔ اسے ہم (آیتِ قرآنی) وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (104) (تمام کاموں میں ان سے مشورہ کیجیے!) کے خلاف سمجھتے ہیں اس کی تشریح (امام) ابوبکر (جصاص) رازیؒ کے ''**أحکام القرآن**'' میں ملے گی۔ ''**حجّة اللّٰه البالغه**'' کے بعد اگر کسی کتاب نے ہماری سیاسی بصیرت بڑھائی ہے تو وہ یہی کتاب ہے:

(الف) ہم اس حکومت کو حکومتِ موقتہ (عارضی) کہتے ہیں۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ لاہور فتح کر کے یہ حکومت دہلی پہنچتی ہے تو مستقل حکومت کا فیصلہ اس وقت ہوگا۔ یا تو بادشاہ دہلی اس انقلابی حکومت کے رئیس کو وزیراعظم مان لیتا اور اس کی پارٹی پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) بن جاتی۔ دوسری صورت میں یعنی اگر شاہ دہلی اس حکومت کو تسلیم نہ کرتا تو اسے معزول کر کے اس حکومت کا رئیس ملک کا حاکم ہوتا۔ اور اس کی پارٹی اپنا قانون نافذ کرتی۔

(ب) کیا امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کا خلیفہ (حضرت سید احمد شہیدؒ) ''دہلی'' کو بھول سکتا ہے، جس کو وہ ''حرمین'' اور ''قدس'' اور ''نجف'' کے بعد ساری دنیا سے افضل مانتے ہیں۔

(ج) ''مقاماتِ طریقت''، جس سے ''سوانح احمدیہ'' کا مصنف بھی نقل کرتا ہے۔ ہم نے مکہ معظّمہ میں دیکھی ہے۔ اس میں ایک واقعہ مذکور ہے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے وکیل نے امیر شہیدؒ سے پوچھا کہ اگر مہاراجہ اسلام قبول کر لے تو آپ کی حکومت ہمارے ساتھ کیا معاملہ کرے گی؟ (تو انھوں نے فرمایا:) ''مہاراجہ بادشاہ ہوں گے اور میں اپنی

www.rahimia.org

بیٹی ان سے بیاہ دوں گا۔ محض دینی معاملات میں اس وقت تک اس کا نائب رہوں گا، جب تک وہ شریعت کا حکم چلانا سیکھ لیں۔ (او کما قال)''

یہ وہ اساس ہے جس پر ہم امیر شہید کی حکومت کو حکومت مؤقتہ (عارضی) کہنا جائز سمجھتے ہیں۔

(د) ''مقاماتِ طریقت'' میں مذکور ہے کہ امیر شہید کے اصحاب میں سے ایک مجاہد عالم، جو پہلے بھی حاکم لاہور سے مل چکا تھا' بالا کوٹ کے معرکہ میں گرفتار ہو کر لاہور آیا۔ حاکم نے اس مجاہد سے پوچھا اب خلیفہ کہاں ہے؟ اس عالم نے جواب دیا: ''میں خلیفہ ہوں'' ہم امام ولی اللہ کی تحریک کو مساوات اور جمہوریت کا نمونہ مانتے ہیں۔(105) اس لیے ہم مسلم اور غیر مسلم سے اس کا تعارف کراتے ہیں۔''(106)

(ج) ولی اللّٰہی قومی حکومت کے خلاف سازشیں اور غلطیاں

ولی اللّٰہی سیاسی تحریک نے افغان علاقے میں جو حکومت قائم کی تھی، اس کے خلاف انگریزوں اور سکھوں نے بہت سازشیں کیں۔ اور مقامی لوگوں کو ملا کر اس کو ختم کرنے کے اقدامات کیے۔ اس حوالے سے مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

''اب مسلم پنجاب پر تسلط رکھنے والی (سکھ) قوتوں اور اس جماعت کے درمیان ہونے والی جنگ، برابر کی دو قوتوں کی لڑائی بن گئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی رائے میں یہ صورتِ حال تشویش ناک تھی۔ ان حالات میں کمپنی نے ولی اللّٰہی جماعت کے مخالف مسلمانوں کی مدد حاصل کی۔ اور ان کی مالی امداد کر کے انھیں افغان علاقوں میں پہنچایا۔ انھوں نے وہاں جا کر افغان قوم پرستوں اور ہندوستانی مہاجرین کے درمیان اختلافات پیدا کیے۔

ان لوگوں کے فتنہ پھیلانے کا ایک طریقہ تو یہ تھا کہ ولی اللّٰہی جماعت پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ یہ ایسے حنفی نہیں ہیں، جیسا کہ افغان شہروں کے فقہا حنفی ہیں۔ (107) اسی طرح افغانیوں میں یہ پروپیگنڈا بھی کیا جاتا تھا کہ ان کی حکومت کا سربراہ اور امیر ایک ہندوستانی کیسے ہوسکتا ہے؟ افغانیوں میں عام جاہل لوگ اس پروپیگنڈے سے متأثر ہوگئے۔ نیز بعض معاملات میں خیرخواہوں کے مشورے کو نظرانداز کر کے امیر صاحبؒ نے اپنی رائے سے چند فیصلے کیے۔ چناں چہ افغان لوگوں میں یہ تأثر یہاں تک پہنچ گیا کہ انھوں نے پہلے تو حکومت کے کارندوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور پھر اس جماعت کے مخالفین کی مدد اور تعاون کرنے لگے۔''(108)

مولانا سندھیؒ ایک اَور جگہ مزید لکھتے ہیں:

''ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس وقت کی حکومتیں امیر شہید کی تحریک کو ناکام بنانے میں حصہ لیتی رہی ہیں:

(الف) یہ حکومتیں حکومتِ لاہور سے ساز باز کر کے امیر شہید اور حکومت لاہور کو مصالحت کا موقعہ نہیں دیتی تھیں۔

(ب) جن مسلمانوں کو امام ولی اللہ کی تحریک سے مذہبی مخاصمت ہے جیسے شیعہ اور جُہّال اہلِ سنت۔ ان کے توسط سے امیر شہید کی جماعت میں انتشار پیدا کراتی رہی ہیں۔ اس کی بعض مثالیں ہمیں مولانا حمید الدین مرحوم نے بتلائیں۔

(ج) جب ''سوانح احمدیہ'' کے مصنف جیسا فدائی کسی اثر سے امیر شہید کی پوزیشن بیان کرنے میں اور ان کے مقصد

www.rahimia.org

کے تعین میں صریح غلط بیانی اختیار کر سکتا ہے تو بعض عرب رہنماؤں کے ذریعہ سے ایسا پراپیگنڈا کیوں ناممکن سمجھا جاتا ہے جس کے اثر سے تحریک اپنے اصلی مرکز سے منقطع ہو جائے اور جمہور کارندے قبل از وقت بلند پردازی کو اپنا مقصد قرار دیں۔ کیا اس طرح دوستی کے لباس میں اسے ناکام نہیں بنایا جاتا۔

(د) امیر شہید کی تحریک کو جاہل افاغنہ کے رہنماؤں سے جس قسم کا نقصان پہنچا ہے، اس کے مطالعہ کے لیے سید جمال الدین افغانی کی تاریخ افاغنہ (عربی) اور امیر حبیب اللہ خاں کی لکھوائی ہوئی ''تاریخِ افغانستان'' فارسی کا مطالعہ کرنا چاہیے۔

''آخر میں ہم دوبارہ امیر شہید کے متعلق اپنا عقیدہ صاف صاف بیان کرتے ہیں۔ ہم امیر شہید کو ایک معصوم امام مان سکتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مولانا شہید انھیں اسی طرح منوانا چاہتے ہیں، مگر جس وقت ہم انہیں امارت کی ذمہ داری سپرد کرتے ہیں تو اجتماعی غلطیوں کی مسئولیت سے انہیں مبّرا ثابت نہیں کریں گے۔ ورنہ اس نادر مثال سے تحریک کی آئندہ ترقی میں استفادہ ناممکن ہو جائے گا۔''(109)

جہاں اس قومی حکومت کے خلاف دشمنوں نے سازشیں کیں، وہاں اس جدوجہد میں کچھ غلطیاں بھی ہوئیں۔ ان کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''دلی سے شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) کے لوگ نکلے اور افغانوں میں جا کر اپنی عارضی گورنمنٹ قائم کی۔ اس سے چند غلطیاں ہوئیں، جن کی وَجہ سے وہ ناکام رہی:

1۔ پہلی غلطی یہ تھی کہ ''ناتربیت یافتہ آدمی'' کو ''تربیت یافتہ سپاہی'' کے برابر قبول کرلیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تربیت بے کار ہوگئی۔ چاہیے تھا کہ یہ پارٹی پالیٹکس کے طریق پر اس نئی گورنمنٹ یا نئی اِمارت کی تمام طاقت اُس پارٹی کے ہاتھ میں رہتی۔ باہر کے لوگوں کو حکومت چلانے میں ذرّہ برابر حصہ نہ دیا جاتا۔

2۔ دوسری بڑی غلطی یہ ہوئی کہ یہ حکومت دراصل فقط ہندوستان کی حکومت کو درست کرنے کے لیے پیدا ہوئی تھی۔ چناں چہ اس کا حلقہ اثر لاہور سے گزر کر دلی تک پہنچنا تھا۔ شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) کی پارٹی کے باہر کے لوگوں نے اس تحریک کو مسلمانوں کی عالم گیر تحریک بنانے کی کوشش کی۔ اور جو مسلمانانِ ہند کا امیر تھا، اس کو دنیا کے مسلمانوں کا امام بنا کر تعارف شروع کرا دیا گیا۔ یہ ساری باتیں اس پارٹی کے باہر کے لوگوں کی چالاکیوں کا نتیجہ تھیں۔ اس تحریک کے اس طرح خراب ہونے سے اتنے فسادات پیدا ہوئے کہ تحریک انھی میں الجھ کر رہ گئی۔ ...

جس وقت سید صاحبؒ کو ساری دنیا کا امیر بنا دیا گیا تو افغان بھڑک اٹھا کہ یہ ہمارے ملک میں آ کر ہمارے اوپر کیسے حکومت کرتا ہے۔ آیا تو ہم سے مدد لینے کے لیے اور بن بیٹھا ہمارا امیر۔ نتیجہ یہ نکلا کہ افغان سکھوں سے مل گئے اور معاملہ وہیں ختم ہوگیا۔ سید صاحبؒ کی تحریک کو عالم گیر تحریک بنانا، یمن کے عربوں کا کام تھا۔ اور یمن سے ایسٹ انڈیا کمپنی کا بہت پہلے سے، بلکہ نپولین کے زمانے سے تعلق تھا۔''(110)

(د) حضرت سید احمد شہیدؒ کی شہادت اور حکومت کا خاتمہ

مولانا سندھیؒ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

''امیر شہیدؒ اس واقعے سے (کہ قاضی، مفتی، حاکم، سپاہی، غرض ساری جماعت قتل کر دی گئی) بہت متأثر ہوئے۔ اور اپنا فوجی مرکز کشمیر میں منتقل کرنا چاہتے تھے۔ بالاکوٹ راستے کی ایک منزل تھی۔ سکھوں کے ولی عہد شیر سنگھ نے حملہ کر دیا۔ فوج ایسے میدان میں گھر چکی تھی کہ نہ کوئی سردار باقی رہا تھا، نہ سپاہی۔ تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ امیر شہیدؒ کا سر کاٹ کر رنجیت سنگھ کو دکھانے کے لیے لاہور لایا گیا۔ بغیر سر کے امیر کا جنازہ مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ کے جنازے کے ساتھ بالاکوٹ میں دفن ہوا ہے۔

یہ واقعہ 6/مئی 1831ء کو پیش آیا۔ جب امام ولی اللہ (دہلویؒ) کی تحریک پر پورا سو برس گزر چکا تھا۔ امام ولی اللہ (دہلویؒ) نے 5/مئی 1732ء کو کام شروع کیا تھا اور صدی کے آخر میں اُس کے بے نظیر پوتے اور اُس کے رفقا نے شہید ہو کر تحریک کو ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

(وہ ہرگز نہیں مرتا، جس کا دل عشق کے ساتھ زندہ ہے، صفحۂ عالم پر ہماری ہمیشگی کا نقش ثبت ہو چکا ہے)

ایسٹ انڈیا کمپنی گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے سیاسی اقتدار حاصل کر رہی تھی، مگر اُس نے اب تک تجارتی لباس میں مستور (چھپا) رہنا ضروری سمجھ رکھا تھا۔ واقعہ بالاکوٹ سے دو سال بعد 1833ء میں یک لخت تجارت کا لبادہ اُتار کر وہی کمپنی، حکومت کی مالک بن جاتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (111)

(اس بات میں بے شک صاحبِ بصیرت لوگوں کے لیے بڑی عبرت ہے)

اس تحریک کے متعلق ہم نے ''المسوّی'' کے مقدمے میں ایک حاشیہ لکھا تھا، اُسے یہاں نقل کر دینا خالی از فائدہ نہ ہوگا۔ یہ نسخہ مکہ معظّمہ میں طبع ہو چکا ہے:

''وہ تحریک، جسے امام عبدالعزیز دہلویؒ نے قائم کیا تھا، ہندوستان کی حدود میں واقع افغان پہاڑوں میں ۱۲۴۲ھ (1831ء) میں عارضی ہندوستانی حکومت تک پہنچ چکی تھی۔ اس شرعی حکومت کے سربراہ امیر المؤمنین سید احمد دہلویؒ (الامیر الشہیدؒ) تھے۔ اور اس حکومت کے وزرا کی صدارت کا عہدہ مولانا عبدالحئی دہلویؒ (الصدر السعید) کے پاس تھا۔ اور جنگی اور سیاسی امور مولانا محمد اسماعیل دہلویؒ (الصدر الشہیدؒ) کے سپرد تھے۔ جہاں تک ان امور کا تعلق ہے، جو داخلی کاموں سے مشابہت رکھتے تھے، مثلاً عطیات جمع کرنا، اور افراد سازی وغیرہ کا کام، دہلی میں اس کے نگران مولانا محمد اسحاق (الصدر الحمیدؒ) تھے۔ ۲۷/ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ مطابق 6/مئی 1831ء کو امیر اور ان کے ساتھی کشمیر کی حدود میں واقع ایک بستی ''بالاکوٹ'' میں شہید کر دیے گئے۔'' (112)

اس طرح وہ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک، جو 5/مئی 1731ء کو شروع ہوئی، اس کے پہلے دور کا اختتام 6/مئی 1831ء کو ہوا۔ جب کہ دوسرا دور 1831ء سے شروع ہو کر اگلے سو سال تک مسلسل کام کرتا رہا۔

10۔ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے اس پہلے دور پر ایک نظر

ولی اللّٰہی سیاسی جماعت، جس کا آغاز حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے ہوا اور اس کے پہلے دور کا اختتام امیر شہید سید احمد شہیدؒ کی شہادت پر ہوا۔ اس پورے دور پر اجمالی نظر ڈالتے ہوئے مولانا سندھیؒ لکھتے ہیں:

(الف) ہم امام ولی اللہؒ کے علوم میں ''نقل''، ''عقل''، ''کشف'' کے تطابق (باہمی مطابقت اور جامعیت) کو **''ما بہ الامتیاز''** (امتیازی خصوصیت) مانتے ہیں۔ ان سے متقدم (پہلے) شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے علوم میں (صرف) ''عقل'' اور ''نقل'' کا تطابق پایا جاتا ہے۔ ''کشف'' سے وہ تعرض نہیں کرتے۔

(ب) امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے بعد اس درجے کا کامل ہم فقط امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کو مانتے ہیں۔ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے بعد ان کی مثل ہمیں کوئی نظر نہیں آتا، جس میں تینوں کمالات (نقل، عقل، کشف) جمع ہو گئے ہوں۔

(ج) امام (شاہ) عبدالعزیز (دہلویؒ) کے شاگردوں کے:

(i) پہلے طبقے میں امام رفیع الدین (دہلویؒ) ''عقل'' و ''نقل'' کے جامع ہیں۔ اور امام (شاہ) عبدالقادر (دہلویؒ) ''کشف'' و ''نقل'' کے جامع ہیں۔

(ii) دوسرے طبقے میں امام مولانا محمد اسماعیل شہید ''عقل'' و ''نقل'' کے اوّل درجے پر جامع ہیں اور مولانا عبدالحئی (بڈھانویؒ) ''عقل'' و ''نقل'' کے دوسرے درجہ پر (جامع ہیں۔)

(د) مولانا عبدالحئی (بڈھانویؒ) اور مولانا محمد اسماعیل (شہیدؒ) کے قِران السعدین (نیک بخت جوڑی) کے ساتھ اگر کوئی ''کشف'' کا امام بھی مل سکے تو امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے ''وحدانی وجود'' کی دوسری مثال امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کے بعد اس ''اجتماع'' میں مل سکے گی۔

ہمارا یقین ہے کہ امیر شہید (سید احمد شہیدؒ) اس قدر سلیم الفطرت تھے کہ ان کی قوتِ کشفیہ ہمیشہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کے موافق رہی ہے۔ انھیں خلافِ سنت کبھی الہام نہیں دیا گیا۔ انھوں نے **''کافیہ''** (اور **مشکوۃ**) تک کتابیں پڑھ لی تھیں۔ پھر قرآن عظیم کا ترجمہ اور صحاح کا درس شاہ عبدالقادر (دہلویؒ) سے سنتے رہے۔ اس طرح وہ ''کشف'' اور ''نقل'' کے جامع بن گئے:

(الف) ''جادۂ قویمہ'' (دین اسلام کے سیدھے راستے) کی حکومت، ہند میں پیدا کرنے کا عزم امیر شہید میں فطری تھا۔ اور خدمتِ خلق ان کا اخلاقی شعار ہے۔ ''جادۂ قویمہ''، **''حُجّة اللّٰه البالغه''** اور **''مسوّٰی''** پر عمل کرنے کا نام ہے۔

(ب) امام عبدالعزیز (دہلویؒ) نے الامیر الشہید (سید احمد شہیدؒ) کے ساتھ الصدر السعید (مولانا عبدالحئی بڈھانویؒ) اور

www.rahimia.org

الصدر الشہید (مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ) ان تینوں بزرگوں کے مجموعہ کو اپنا قائم مقام بنا کر اپنے متبعین سے ان کا تعارف کرایا ہے، جس سے وہ انقلابی سوسائٹی کا مرکز بن گئے۔ یاد رہے کہ اسی سوسائٹی کے ایک رکن الصدر الحمید (مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ) کو اپنے ساتھ رکھا، جو انقلاب کی مرکزی روح کی محافظت (حفاظت) کرے گا۔

(ج) ''یوسف زئی'' (قبائل) کے علاقے میں پہنچ کر جب امیر شہید ''امیــر الـمـؤمنین'' مانے گئے اور ہند میں امام ولی اللہ (دہلویؒ) کے اَتباع نے اس امارت کو تسلیم کر لیا تو وہ حکومت کے مالک ہو گئے۔''(113)

اسی طرح ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے اس پہلے دور (1731ء تا 1831ء) کے تسلسل اور اس کے بنیادی مقاصد و اہداف بیان کرتے ہوئے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

(الف) یہ تحریکِ آزادی، علما ہند کے ہاتھوں انیسویں صدی کے ابتدائی حصے سے شروع ہوئی اور اس کا سنگِ بنیاد رکھنے والے حضرات (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور) شاہ عبدالعزیز صاحب دہلویؒ اور ان کے خاندان کے لوگ اور ان کے شاگرد اور مریدین ہیں۔

(ب) اس تحریک میں فرقہ واریت اور مذہبی تنگدلی کا نام نہ تھا بلکہ تمام ہندوستان اور اس کے باشندوں کو بدیشی (غیر ملکی) مظالم سے — جو کہ تمام ملک کو برباد کر رہے تھے — نجات دلانا تھا۔

(ج) اس تحریک میں غیر مسلموں کو بھی شریک کیا گیا تھا اور ان کو بلایا گیا تھا۔

(د) سکھوں سے جنگ فرقہ واریت کی بنا پر نہیں تھی بلکہ اس بنا پر تھی کہ وہ انگریزوں کے حلیف اور مددگار تھے۔ انگریزوں نے ان کو ہندوستان میں اپنی حکومت کی حفاظت کے لیے افغانستان کے راستہ میں آہنی دیوار اور سدِ سکندری بنایا تھا۔ اس لیے ان کا قلع قمع کرنا لازم تھا اس کے علاوہ وہ بے پناہ مظالم کے بھی محرک تھے، جن کا وہ انتہائی بربریت کے ساتھ ارتکاب کر رہے تھے۔

(ہ) اس تحریک کا مقصد دنیاوی مفاد، ملک گیری، خودغرضی، عہدوں اور منصبوں کا حاصل کرنا، کسی قوم کو غلام بنانا، ان کی دولت اور ذرائع دولت کو ہتھیانا ہرگز نہ تھا، بلکہ محض خدا کی عام ہندوستانی مخلوق کو یورپین سپید (سفید) بھیڑیوں اور ان کے خلفا (نام زد کردہ حکمران طبقوں) کی لوٹ مار، چیر پھاڑ، تذلیل و توہین وغیرہ سے بچانا تھا، جو کہ ''اعـلاءِ کـلـمة الـلّٰـه'' (اللہ کے دین کو غالب کرنے) کا عظیم ترین مقصد ہے۔ عدل و انصاف، امن و امان، انسانی ہمدردی، غربا پروری، کمزوروں کی امداد اِسی مقصدِ اعلیٰ کے پھل پھول اور شاخیں ہیں۔

(و) یہ تحریک شخصی یا کسی فرقے کی حکومت اور فسطائیت (آمریت) کے لیے نہیں عمل میں لائی گئی تھی، بلکہ حقیقی جمہوریت اس کا مطمحِ نظر تھا۔

(ز) الحاصل! (ہندوستان کے) دارالحرب بن جانے کے فتویٰ مذکورہ (بالا) کے بعد اس کے فرائض کی انجام دہی میں غور و خوض شروع ہوا۔ حضرت شاہ (عبدالعزیز دہلوی) صاحب مرحوم اور ان کے خاندانی حضرات اور تلامذہ اور مریدینِ باِ اخلاص میں گفت و شنید، بحث و تمحیص ہونی ضروری تھی۔ اس کے بعد عام مسلمانوں کو ساتھ لینے اور

اس فریضے کی انجام دہی کے عمل میں لانے کی تدبیریں سوچی گئیں۔ اور ضروری سمجھا گیا کہ عام مسلمانوں کو فریضۂ مذکورہ کی دعوت دی جائے، مگر جب تک مدعوین کے کیریکٹر اور اَخلاق و اعمال میں استقامت اور استقلال، خدا ترسی اور اخلاص وغیرہ اعلیٰ ترین اخلاق پیدا نہ ہوں تو مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور اگر بغیر ان کے اقدام کیا گیا تو بجائے نفع کے ضرر کا سخت اندیشہ ہے۔ اس لیے ملک میں دورہ کرنا، ہر جگہ وعظ نصیحت اور تبلیغ و تفہیم سے لوگوں کے عقائد واخلاق واعمال کو درست کرنا اور ان سے عہد و میثاق لینا کہ:

''وہ اللہ تعالیٰ اور رسول علیہ السلام کی سچی اور پکی تابع داری کریں گے۔ چوری، زنا، ناحق قتل کرنا، لوگوں پر بہتان باندھنا وغیرہ تمام بڑے بڑے گناہوں سے دور رہیں گے۔''

ضروری سمجھا گیا۔

(ح) اور اس کام کے لیے حضرت سید احمد (شہید) صاحب بریلوی مرید وخلیفہ خاص حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے بھتیجے شاہ محمد اسماعیل (شہید) صاحب اور داماد و بھتیجے مولانا عبدالحیٔ (بڑھانوی) صاحب مرحومین کو منتخب کیا گیا، اول الذکر کو سب کا سردار اور ہر دو بزرگوں کو جو کہ بہ حکم حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سید صاحب کے مرید بھی ہوگئے تھے، ان کا دست وباز و بنا دیا گیا۔''(114)

اس طرح اس ولی اللّٰہی سیاسی تحریک نے تقریباً ایک سو سال تک برعظیم پاک و ہند کی سیاسی زندگی پر اپنے گہرے نقوش چھوڑے ہیں۔ انگریز سامراج کے خلاف آزادی کا جذبہ بیدار کرنے، قومی سوچ کی بنیاد پر ہندوستان میں حکومت قائم کرنے اور عدل و انصاف، امن و امان اور معاشی خوش حالی کے لیے عظیم الشان جدوجہد کرنے کے لیے اس تحریک نے بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ برعظیم پاک و ہند کی تاریخ کے اس دور میں قومی سطح پر اس سے بڑی جامعیت کی حامل کوئی سیاسی تحریک نہیں تھی۔ اس حوالے سے اس تحریک نے بڑا جامع اور منفرد کردار ادا کیا ہے۔

انگریز سامراج نے جہاں دیگر شاطرانہ چالیں چلی ہیں، اُن میں ہندوستان کی تاریخ کو مسخ کرنے اور بالخصوص ولی اللّٰہی سیاسی تحریک کے خلاف اقدامات کرنے کی سازشیں بھی کی ہیں۔ اور اس جماعت کی سیاسی تحریک کے بارے میں چالاک تاریخ نویسوں سے مسخ شدہ تاریخ لکھوائی گئی ہے۔ چناں چہ اس حقیقت کی نشان دہی کرتے ہوئے مولانا عبیداللہ سندھیؒ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ ایک حقیقت ہے کہ واقعہ بالاکوٹ پر امام ولی اللہ (دہلویؒ) اور امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کی اجتماعی تحریک کا پہلا دور ختم ہوگیا، لیکن چالاک تاریخ نویس اس واقعے کو خود تحریک کا خاتمہ قرار دینا چاہتا ہے۔ وہ پہلے امیر شہیدؒ کی عظمت پر زور دے کر اُن کو ساری تحریک کا ماں باپ ثابت کرتا ہے۔ اُس کے خیال میں اس تحریک کی اس قدر کامیابی میں نہ امام عبدالعزیز (دہلویؒ) کا دخل تھا اور نہ امام ولی اللہ (دہلویؒ) کا۔ اور نہ پشاور کی حکومتِ مؤقتہ (عارضی) کو دہلی میں مولانا محمد اسحاق (دہلویؒ) کی امامت یا صدارت سے (جو روپیہ اور مجاہدین پہنچانے کی ذمہ دار تھی) کوئی تعلق تھا۔ اس کے بعد وہ آسانی سے امیر کی شہادت سے تحریک کے ختم ہونے کا نتیجہ نکال لیتے ہیں۔''(115)

چناں چہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی سیرت اور تحریکِ جہاد و مجاہدین کے حوالے سے عام طور پر جتنی بھی کتابیں تحریر کی گئی ہیں،

www.rahimia.org

اور اُن کے ماخذات کے حوالے سے جو کچھ عام طور پر مرتب کیا گیا ہے، اس میں اسی قسم کی چالاکی کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی جدوجہد کو پہلے ولی اللّٰہی سیاسی تحریک سے الگ کر کے اُن کی محض انفرادی کاوش کے قصیدے پڑھے جاتے ہیں اور پھر اُن کی شہادت پر اس تحریک کو ختم کرنے یا اُس کا رُخ موڑنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اور مولانا حسین احمد مدنی نے بلاشبہ اس طرح کی کوشش کو ناکام بنایا ہے۔

بلاشبہ ولی اللّٰہی سیاسی تحریک ہندوستان کی عظیم الشان تحریک ہے، جس نے پورے ہندوستان میں زوال اور غلامی کے دور میں بڑا متحرک کردار ادا کیا ہے۔ اور اس کا پہلا دور واقعہ بالاکوٹ پر ختم ہوجاتا ہے، لیکن یہاں پر یہ تحریک ختم نہیں ہوجاتی، بلکہ اگلے مرحلے میں نئے دور میں داخل ہوتی ہے۔ جسے امام شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے آگے بڑھایا اور اُن سے لے کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تک اگلے دور کے تقاضوں کے مطابق اس تحریک نے بڑا بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1. رواه البخاری. باب ما ذُكر عن بنی إسرائیل. حديث نمبر: 3455. و أخرجهٔ مسلم فی صحيحهٖ بهٰذهِ الألفاظ. كتاب الإمارة. باب الأمر ببيعة الخلفاء الأوّل فالاوّل. حديث نمبر: 4773. و فيه ''ستكون خلفاء فتكثرون''. رواهٔ ابن ماجه فی سننهٖ بهٰذه الألفاظ. عن أبی حازم عن أبی هريرةؓ قال: قال رسول الله صلّى الله عليه و سلّم: ''إنّ بنی إسرائيل كانت تسوسهم أنبيائهم، كلّما ذهب نبیّ، خلفهٔ نبیّ. و إنّهٔ ليس كائن بعدی نبیّ فيكم.'' قالوا: فما يكون يا رسول اللّٰه؟ قال: ''تكون خلفاء فيكثروا''. قالوا: فكيف نصنع؟ قال: ''أوفوا ببيعة الأوّل فاالأوّل اد الذی عليكم فسيئلهم اللّٰه عزّ و جلّ عن الذی عليهم.'' كتاب الجهاد. باب الوفاء بالبيعة. حديث نمبر: 2871.
2۔ قرآنی شعورِ انقلاب۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 101 تا 103۔ طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور۔ 2009ء۔
3۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ عرضِ حال از مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 10-9۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ادوار کے تعین کے لیے تاریخ کے حوالے سے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نقطہ نظر کو سامنے رکھا ہے۔ شاہ صاحبؒ نے ''إزالة الخفاء'' میں حدیث ''خیر القرون'' کی تشریح کرتے ہوئے ایک قرن اور دور کی درجِ ذیل وضاحت کی ہے:

''قرن در لغت: قوم ''متقارنین فی السّن''۔ بعد ازاں قومے کہ در ریاست وخلافت مقترن باشند، گفتہ شد۔ چوں خلیفۂ دیگر باشد، و وزرا حضورِ دیگر، وامرائے دیگر، ورؤسا جیوشِ دیگر، وسپاہیانِ دیگر، وحربیانِ دیگر، وذمیانِ دیگر، تفاوت قرون باہم مے رسد۔''

(''قرن'' کا لفظ لغت میں ایسی قوم کے لیے بولا جاتا ہے، جو تاریخی سن کے حساب سے ہم عصر ہو۔ اس کے بعد یہ لفظ ایسی قوم کے لیے استعمال کیا جانے لگا، جو خلافت وحکومت اور ریاست کے نظام میں ہم عصر ہوں۔ چناں چہ جب کوئی نیا حکمران اور خلیفہ آ جائے، نئے لوگ اُس کے وزرا بن جائیں، عوام، فوج کے سپاہی اور سپہ سالارانِ لشکر تبدیل ہوجائیں اور دشمنوں کا نظام بھی بدل جائے تو ایسی صورت میں ایک دور دوسرے دور سے مختلف ہوجاتا ہے۔) (إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء. از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، المقصد الأوّل، فصل چهارم، أحاديثِ خلافت، مسند عبدالله بن مسعودؓ، جلد: 1، ص: 87-286، طبع قدیمی کتب خانہ، آرام باغ، کراچی)

حضرت مولانا سندھیؒ نے پہلے دور کا آغاز مکہ معظّمہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ایک مشاہدے ''فک کل نظام'' سے کیا ہے۔ ''فُیوض الحرمین'' میں ہے کہ یہ مشاہدہ ۲۱/ ذوقعدہ ۱۱۴۴ھ کو مکہ معظّمہ میں ہوا تھا۔ حضرت سندھیؒ نے ''شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی

تحریک'' میں اس کا اس تاریخ کا سن عیسوی مئی 1731ء لکھا ہے۔ اور اسی بنا پر انھوں نے مئی 1831ء کے معرکۂ بالاکوٹ تک پہلے دور کا دورانیہ ایک قرن یعنی سو سال مقرر کیا ہے، لیکن تمام تاریخی تقویمات کے مطابق ۲۱/ ذوقعدہ ۱۱۴۴ھ/ 16/ مئی 1732ء کو بنتی ہے۔ مولانا سندھیؒ کا مقرر کردہ پہلا سو سالہ دور تب ٹھیک ہوسکتا ہے، جب حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حرمین شریفین پہنچنے کی تاریخ ۱۵/ ذوقعدہ ۱۱۴۳ھ/ 22/ مئی 1731ء سے شاہ صاحبؒ کے سیاسی تحریک کے پہلے دور کو شمار کیا جائے۔ (آزاد)

4۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ عرضِ حال از مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:10-9۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942۔

5۔ ایضاً۔ ص:13 تا 24۔

6۔ ایضاً۔ ص:50 تا 68۔

7۔ **التمهيد لتعريف ائمة التجديد. سبيل الرشاد. النوع الثانى. فصل فى بيان كون الإمام ولى الله مأمورًا بتجديد النهضة الهندية علٰى طريق الإلهام.** ص:26-125۔ طبع: حیدرآباد، سندھ۔ اور **فيوض الحرمين،** ص88-89، مطبع احمدی دہلی۔ بمع اردو ترجمہ ص266، 270، مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز، کراچی۔

8۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:26 تا 30۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

9۔ امالی عبیدیہ قلمی۔ املا از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ضبط و تحریر: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔ نقل: مولانا مقبول عالم۔ ص:31-30۔

10۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت یہ ہے: **''و هى الحكمة الباحثة عن كيفيّة حفظ الرّبط الواقع بين أهل المدينة. و أعنى: بِ''المدينة'': جماعة متقاربة تجرى بينهم المعاملات و يكونون أهل منازل شتّٰى. و الأصل فى ذالك أنّ المدينة شخصٌ واحدٌ من جهة ذالك الرّبط، مركّبٌ من أجزاءٍ و هيئةٍ إجتماعيةٍ .... و لمّا كان المدينة ذات إجتماعٍ عظيمٍ لا يمكن أن يّتفق رأيهم جميعًا علٰى حفظ السّنّة العادلة و لا أن يّنكر بعضهم علٰى بعضٍ من غير أن يّمتاز بمنصبٍ، إذ يفضى ذالك إلٰى مقاتلات عريضةٍ لم ينتظم أمرها إلّا برجلٍ إصطلح علٰى طاعته جمهورُ أهل الحلّ و العقد لهُ أعوان و شوكةٌ و كلّ من كان أشدّ و أحدّ و أجرأ على القتل و الغضب فهو أشدّ حاجةً إلى السّياسة.''**

(دیکھئے! **حجّة الله البالغه. مبحث الإرتفاقات. باب سياسة المدينة. ج:1. ص:92. طبع: بيروت.**)

11۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت یہ ہے: **''والرّجل الواحد المتكفّل بها جميعًا، هو الإمام الحقّ، و قلّما يوجد ذالك. و الأكثر وقوعًا هو: (الف) أن يّكون القائم بأمرين أو ثلاثة رجلاً واحدًا و الباقى رجلاً آخر، و المدن النّاقصة قد توجد هُناك بحسب كلّ حاجة سنّةٌ مصطلحةٌ عليها. (ب) أو رئيس فى كلّ أهل صناعةٍ يصدرون برأيه. (ج) أو إجتماع من عُقلاء القوم و مبرزيهم.''**

البدرو البازغه. فصل مبحث الإرتفاق الثالث و تقسيم أقسامه. ص:94. طبع: حيدرآباد، سندهـ.

12۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:52-151۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

13. **تفهيماتِ الٰهيه. تفهيم نمبر 69. ص:85-284. طبع: حيدرآباد، سندهـ.**

14. **التمهيد لتعريف ائمّة التجديد. سبيل الرشاد. النوع الثانى. فصل: 7. ص:126. طبع: حيدرآباد، سنده.**

15۔ دیکھئے! **فيوض الحرمين۔** مشہد نمبر 36۔ عربی اردو۔ ص:195۔ طبع: محمد سعید اینڈ سنز۔ قرآن محل، کراچی۔

16۔ شاہ صاحبؒ ''**فتح الرحمن**'' میں سورت رعد کی آیت: اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَأْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا (41:13) کا ترجمہ لکھتے ہیں: ''آیا نمے بینند کہ ما قصد مے کنیم بایں سرزمین کہ ناقص مے سازیم آں را از جوانبِ آں۔'' (کیا وہ دیکھتے نہیں کہ جو ہم نے ارادہ کیا کہ اس سرزمین کو ہم اُن کے چاروں طرف سے کم کرتے جا رہے ہیں) اس کے ذیل میں حاشیے میں شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''یعنی روز بروز

www.rahimia.org

شوکتِ اسلام بزمین عرب منتشر مے شود، و دارالحرب ناقص مے گردد از اطرافِ آں۔ عامۂ مفسرین آیت را مدنیہ دانند و نزدیک مترجم لازم نیست کہ مدنی باشد و مراد از نقصانِ دارالحرب، اسلامِ اسلم و غفار و جہینہ و مزینہ و قبائل۔ ایں است پیش از ہجرت۔'' (دن بدن اسلام کی شان و شوکت اور اس کا غلبہ، عرب کی سرزمین پر پھیل رہا ہے۔ اور دارالحرب ہر طرف سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ عام مفسرین اس آیت کو مدنی سمجھتے ہیں، لیکن مترجم کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ یہ آیت مدنی ہو۔ دارالحرب میں کمی سے مراد یہ ہے کہ قبیلہ بنو اسلم، بنو غفار، قبیلہ جہینہ اور مزینہ اور دیگر قبائل کا اسلام قبول کرنا ہے۔ اور یہ ہجرت سے پہلے ہوا ہے۔)

(دیکھئے! حاشیہ فتح الرّحمٰن بترجمة القرآن، ترجمہ سورت الرعد)

17۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 99-398۔ طبع: لاہور۔

18۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''ازلة الخفاء'' میں لکھتے ہیں:

''وختم مآثر حضرت ذی النورین رضی اللہ عنہٗ بہ بیان یک نکتہ کنیم۔ وآں نکتہ ایں است کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیثِ بسیار تصریح وتلویح فرمودہ اند کہ خلافتِ خاصہ بعد حضرتِ عثمان منتظم نہ خواہد شد۔ وایں معنی باسانیدِ متعددہ وطرقِ متغایرہ بہ ثبوت پیوست، بہ وجہے کہ اسلم محلِ اشتباہ نہ ماند۔ وایں مضمون در خارج بہ ظہور انجامید۔ زیرا کہ حضرتِ مرتضٰی رضی اللہ عنہٗ باجودِ وفورِ اوصافِ خلافتِ خاصہ در وے، ورسوخِ قدمِ ایشاں در سوابقِ اسلامیہ متمکّن نہ شد در خلافت، و در اقطارِ ارض حکم اُو نافذ نہ گشت۔ و بہ ہر روز دائرۂ سلطنت تنگ تر مے شد۔ تا آں کہ در آخرِ ایام بجز کوفہ و ماحولِ آں محلِ حکومت نہ ماند۔'' (حضرت عثمان ذو النورین کے حالات کا اختتام ہم ایک نکتے سے کرتے ہیں۔ اور وہ نکتہ یہ ہے کہ: آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی حدیثوں میں واضح طور پر اور اشارتاً بھی فرمایا ہے کہ: ''خلافتِ خاصہ کا نظم ونسق حضرت عثمانؓ کے بعد باقی نہیں رہے گا۔'' یہ معنی اور مفہوم کئی اسانید اور بہت سے طریقوں سے ایسا ثابت شدہ ہے کہ اس میں قطعاً کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور یہی کچھ واقع میں بھی ظاہر ہوا ہے۔ اس لیے کہ حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہٗ کہ اگر چہ اُن میں خلافتِ خاصہ کے اوصاف وافر طور پر موجود تھے، اور سب سے پہلے اسلام لانے والوں میں اُن کے قدم ہمیشہ جمے رہے، لیکن اس کے باوجود خلافت کے منصب پر وہ متمکن نہ ہو سکے اور نہ اُن کا حکم زمین کے چاروں اطراف میں نافذ ہو سکا۔ اور ہر آنے والے دن میں اُن کی سلطنت اور حکومت کا دائرہ بہت زیادہ تنگ ہوتا گیا، حتیٰ کہ آخری دنوں میں اُن کی حکومت، صرف کوفہ اور اس کے گرد ونواح تک محدود ہو کر رہ گئی۔) (دیکھئے! ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء۔ ج:4۔ ص:97-396۔ طبع: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

19۔ القرآن 9:61۔

20۔ دیکھئے! ازلة الخفاء۔ مقصدِ اول۔ فصل سوم۔ تفسیر آیاتِ خلافت۔ ج: 01۔ ص: 163 تا 175۔ طبع: قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

21۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اس باب میں دنیا بھر کی تمام اقوام کو ایک ملتِ واحدہ پر جمع کرنے کے اصولوں کی نشان دہی کرتے ہوئے پہلا اصول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وجب ان تكون مادة شريعتهٖ ما هو بمنزلة المذهب الطبيعي لأهل الأقاليم الصالحة عربهم و عجمهم.'' (ضروری ہے کہ اُن کی شریعت کا بنیادی مواد ایسا ہونا چاہیے، جو کہ عرب وعجم کے ممالک میں بسنے والی تمام اقوام کے لیے طبعی اور فکری مذہب کی سی حیثیت رکھتا ہو۔) (حجة اللّٰه البالغه. باب الحاجة إلٰى دينٍ ينسخ الأديان. ج:01. ص:248. طبع: بيروت)

22۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 401-400۔ طبع: لاہور۔

23۔ حجّة اللّٰه البالغه، باب الحاجة الٰى دين ينسخ الأديان، از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ، ص 335 تا 340، مکتبہ حجاز، دیوبند۔

24۔ ایضاً۔

25۔ ایضاً۔

www.rahimia.org

26۔ حجّة الله البالغه . مبحث الإرتفاقات. باب الرسوم السائره فی الناس. ج: 1. ص 50 طبع منیریه مصر.

27۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 399۔ طبع: لاہور۔

28۔ ایضاً، ص: 401-400۔

29۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فلسفہ اور حکمت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ثمّ أفاضتنی أنوار الغیب فأقمتُ مقام الحکمة، و کنتُ یومئذٍ نائب یوسف علیه السلام، لأنّهٗ هو الّذی خلصت لهٗ الحکمة من بین الأنبیاء، و جعلت لی برهة من الزّمان مثوٰی و مأوٰی، و ذهبت منّی عروقٌ فی أعماق أرضها، ثمّ انزعجتُ لنور النّبوّة فکان ما کان. و الحمدُ لِلّٰه ربّ العالمین.'' (پھر مجھ پر غیب کے انوار کا فیضان ہوا تو میں حکمت کے مقام پر فائز ہوگیا۔ اس زمانے میں مَیں گویا یوسف علیہ السلام کا نائب تھا۔ اس لیے کہ وہ انبیا میں ایسے نبی ہیں، جو خالص حکمت کے منصب پر فائز ہیں۔ ایک زمانے تک یہی حکمت میرا ٹھکانہ رہی ہے۔ اور مجھ میں سے شریانیں نکل کر حکمت کی سرزمین کی گہرائی میں پیوست ہوتی رہی ہیں۔ پھر ایک دم میں نورِ نبوت کی روشنی میں نکل کر آ گیا۔ پس جو کچھ فیضان ہوا، سو ہوا۔ اس پر اللہ ربّ العالمین کی حمد و ثنا ہے۔)

(دیکھئے! تفهیماتِ الٰهیه. تفہیم نمبر 53۔ ج: 2۔ ص: 79-78۔ طبع: حیدرآباد، سندھ)

30۔ خطبات و مقالات، مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک؛ استدراک و تصحیح، ص: 399، طبع: لاہور۔

31۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 44 تا 49۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

32۔ ایضاً۔ ص: 72۔

33۔ القول الجلی فی ذکر آثار الولی (فارسی)۔ تصنیف: مولانا محمد عاشق پھلتیؒ۔ ص: 438 تا 498۔ طبع: دہلی۔

34۔ نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ مقدمہ۔ ص: 68-67۔ طبع: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔ نومبر 1999ء۔

35۔ شاہ ولی اللہؒ کے سیاسی مکتوبات۔ مرتبہ: خلیق نظامی۔ ص: 12۔ طبع: ادارۂ اسلامیات، لاہور۔

36۔ الخیر الکثیر (عربی)۔ از امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔ ص: 164۔ طبع: پشاور۔ 1959ء۔

37۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 400-399۔ طبع: لاہور۔

38۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت یہ ہے: ''باقی ماند مطلبے دیگر چوں عبورِ افواجِ شاہیہ بدہلی واقع شود، اہتمامِ کُلّی باید کرد کہ مثلِ سابق پامالِ ظلم نہ گردد۔ اہلِ دہلی چندیں دفعہ نہبِ اموال و ہتکِ ناموس دیدہ اند۔ و بہ ہمیں سبب درکار ہائے مطلوبہ شاہی توقف اُفتاد، آخر آہِ مظلوماں کار ہا دارد! ایں بار اگر مے خواہند کہ کار دست بستہ شود میسر شود قدغن بلیغ باید نمود کہ کسے بمسلماناں و ذمیانِ دہلی را نداشتہ باشند۔''

(شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات، مکتوب نمبر 6 بطرف نجیب الدولہ، ص: 21، طبع: ادارۂ اسلامیات، لاہور)

39۔ شاہ ولی اللہ اور ان کے سیاسی مکتوبات۔ مکتوب بنام احمد شاہ ابدالی۔ ص: 6 تا 17۔ طبع: ادارہ اسلامیات، لاہور۔

40۔ التمهید لتعریف ائمّة التجدید. سبیل الرشاد. النوع الثانی. فصل: 7. ص: 126. طبع: حیدرآباد، سندھ.

41۔ ایضاً۔

42۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 50۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء

43. التّمهید لتعریف ائمّة التجدید. سبیل الرشاد. النوع الثالث. فصل: 7. ص: 28-127. طبع: حیدرآباد، سندھ

44۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 71 تا 78۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

45۔ ایضاً۔ ص: 104 تا 108۔

46۔ حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

www.rahimia.org

''در کتب معتبرہ اکثر ہمیں روایت اختیار کردہ کہ دار الاسلام دارالحرب مے تواند شد۔... دریں شہر حکم امام المسلمین اصلاً جاری نیست۔ وحکم رؤسائے نصاریٰ بے دغدغہ جاری است۔ ومراد از اِجرائے احکامِ کفر ایں است کہ در مقدمۂ ملک داری، و بند و بستِ رعایا، و اخذِ خراج و باج، وعشورِ اموالِ تجارت، وسیاستِ قُطّاع الطّریق و سُرّاق، وفیصلِ خصومات، وسزائے جنایاتِ کفار بطورِ خود حاکم باشند۔ آرے اگر بعضِ احکامِ اسلام رامثل جمعہ، وعیدین، واذان، وذبح بقر تعرض نہ کردہ باشد، لیکن اصل الاصول ایں چیز ہا نزد ایشاں ہباءً و ہدر است، زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم بے نمایند، وہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمانِ ایشاں دریں شہر و در نواحِ آں نمے تواند آمد۔ برائے منفعتِ خود واردین ومسافرین وتجار مخالفت نمے نمایند۔ اعیانِ دیگر مثل شجاع الملک و ولایتی بیگم بغیر حکم ایشاں دریں بلاد داخل نمے توانند شد۔ واز یں شہر (دہلی) تا کلکتہ عمل نصاریٰ ممتد است۔ آرے در چپ و راست مثل حیدرآباد ولکھنؤ ورام پور احکامِ خود جاری نہ کردہ اند، بہ سبب مصالحہ و اطاعتِ مالکانِ آں ملک۔'' (فتاویٰ عزیزی۔ جلد اول۔ ص:17-16۔ طبع: مجتبائی، دہلی)

47۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت یہ ہے: ''وہمیں قول را ترجیح دادہ اند۔ بریں تقدیر معمولۂ انگریزاں واشباہِ ایشاں لاشبہ دارالحرب است۔ واللہ اعلم۔'' (فتاویٰ عزیزی۔ ج:1۔ ص:110۔ طبع: مجتبائی، دہلی)

48۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:82 تا 93۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

49۔ شاہ صاحبؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

''موالات بمعنی دوستی اگر مِن جہتِ دین باں ہا متحقق شود بالاجماع کفر است، و بہ اعتبارِ دنیا اگر اختیارے، پس حرام است۔ ...اگر کفار خواہند کہ مسلمانے قتال کنند، یا ملکے یا بلدے از اہل اسلام تصرف نمایند، نوکری آنہاں حرام۔ و مدد و کمک نیز حرام، بلکہ (گناہِ) کبیرہ است۔ واگر باہم قتال کنند یا برائے جمع مال و بند و بست ملکے کہ از سابق درتصرفِ خود دارند، ومسلمانان را نوکر گیرند نظر بہ ظاہر شرح اباحت است **قیاساً علٰی سائر الإجارات مثل الخیاطه، و التّجاره، وغیرهما .. لیکن عند التّعمُّق** آں ہم خالی از حرمت نہ باشد، خصوصاً دریں زمان زیرا کہ چاکری ایں ہا سیمار وشناساں را حیلے موجبِ مفاسدِ دینی مے گردد۔ واقل مفاسد مداھنت است در انکار برافاعیل منکرۂ ایشاں، ومناصحت وخیرخواہی ایشاں، وتقصیر سواد وتقویتِ شوکت وتعظیم مفرد ایشاں، وخداوند وصاحب و''قبلہ'' گفتن و اظہارِ محبتِ مفرط ایں ہا الیٰ غیر ذالک۔'' (فتاویٰ عزیزی۔ ج:1۔ ص:108۔ طبع: مجتبائی)

50. **التمهید لتعریف ائمّة التجدید. تحدیث النعمة. الباب العاشر. فصل: 4. ص: 72-71. طبع: حیدر آباد، سندھ.**

51۔ امالی عبیدیہ قلمی، املا از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ضبط وتحریر: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ، نقل: مولانا مقبول عالم، ص: 34-331۔

52۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک، از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ص: 109 تا 114، طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور، 1942ء۔

53۔ ایضاً۔ ص: 118 تا 121۔

54۔ ایضاً۔ ص: 43-142۔

55۔ ایضاً۔ ص: 124۔

56۔ یہاں پر اجتماعی نقطۂ نظر سے تحریک کا مطالعہ کرنے کے تناظر میں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی رائے پر غلام رسول مہر نے بلاوجہ شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ (دیکھئے! سیرت سید احمد شہید، از غلام رسول مہر۔ ص: 355۔) مہر صاحب نے محض صحافیانہ اور انفرادی نقطۂ نظر سے رائے قائم کی ہے۔ جب کہ قوموں کی تاریخ کے اجتماعی نقطۂ نظر کے حوالے سے مہر صاحب کے تمام اعتراضات بالکل غلط ہیں۔ مہر صاحب کے مآخذات میں سے ایک اہم ترین مآخذ ''وقائع سید احمد شہید'' بھی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ:

''جب نواب ٹونک سے واپس آنے کے بعد سید صاحب کی شاہ صاحبؒ سے ملاقات ہوئی، تو حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے سید صاحبؒ سے اپنے ایک خواب کا تذکرہ فرمایا۔ جس کی تعبیر خود شاہ صاحبؒ اور شاہ غلام علی نے یہ فرمائی تھی کہ: ''رُشد و ہدایت کا ایک باب

آپ کے ہاتھ یا آپ کے ایک مرید کے ہاتھ سے کھلنے والا ہے۔'' اور پھر فرمایا: ''اس خواب کو ایک ہفتہ گزرا تھا کہ تم آ پہنچے۔'' اور فرمایا: ''اب کہاں اُترنے کا ارادہ ہے؟'' حضرت سید المجاہدین نے عرض کی کہ: ''جہاں ارشاد ہو، وہاں اتروں۔'' آپؒ نے فرمایا کہ: ''اپنی قدیم اُسی مسجدِ اکبری میں اترو۔'' اور مولانا محمد اسماعیل صاحب اور مولانا عبدالحیٔ اور حافظ قطب الدین اور مولانا محمد یعقوب اور مولوی محمد یوسف (پھلتی) اور مولوی وحید الدین اور کئی صاحبوں اور کو فرمایا کہ حضرت سید المجاہدین کا اسباب سرائے سے مسجد میں جا کر رکھو۔''

(وقائع سید احمد شہیدؒ۔ ص:89-88)

''وقائع سید احمد شہید'' کی اس عبارت کے سیاق و سباق سے درجِ ذیل چند باتیں واضح طور پر معلوم ہوتی ہیں:

(الف) نواب ٹونک کی انگریزوں کے ساتھ صلح ہونے کے بعد — جس سے حضرت سید احمد شہیدؒ نے اُسے روکنے کی بہت کوشش کی — حضرت سید صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کو نواب کے لشکر سے علاحدہ ہونے کی اطلاع دیتے ہیں اور دہلی تشریف لاتے ہیں۔

(ب) دہلی آمد پر حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ لشکر کے بارے میں تفصیلی حالات معلوم کرتے ہیں، جو پوری شرح و بسط کے ساتھ حضرت سید احمد شہیدؒ نے شاہ صاحبؒ کو سنائے، جو فتویٰ دارالحرب کے تناظر میں اور انگریزوں کے ساتھ فتویٰ عدمِ تعاون کی روشنی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

(ج) حضرت سید احمد شہیدؒ کی آمد سے ایک ہفتہ قبل حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ ایک خواب دیکھتے ہیں، جو اس حقیقت کی نشان دہی کرتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاتھ پر رُشد و ہدایت کا ایک نیا دروازہ کھلنے والا ہے۔ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کو خواب سنانے کا مقصد اس حقیقت کی نشان دہی ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاتھ پر رُشد و ہدایت کا یہ دروازہ حضرت سید صاحبؒ کے ہاتھ سے کھلنے والا ہے۔

(د) رُشد و ہدایت کا جو نیا دروازہ کھلنے والا ہے، اُس میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ جن حضرات کی شمولیت ہونا ہے، انھیں حضرت سید صاحبؒ کی معیت اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ''طریقت'' کی زبان میں یہ حکم دراصل سیاسی نظام کی تشکیل کے لیے اجتماعی بورڈ بنانے کی نشان دہی کرتا ہے۔

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے بورڈ بنانے کے اس قانون کا سب سے بڑا حوالہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی ''البدور البازغہ'' کی عبارت: ''**إجتماع من عقلاء القوم و مبرزيهم**'' کے حوالے سے دیا ہے۔ کیا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے ذہن میں یہ عبارت نہیں تھی؟ اور پھر حضرت سید احمد شہیدؒ، نواب صاحب کے لشکر سے واپس آتے ہیں تو حضرت شاہ صاحبؒ اُس کے تمام احوال پوری دلچسپی سے معلوم کرتے ہیں۔ اور سید صاحبؒ اس لشکر کا پورا حال پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ پھر حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحیٔ بڑھانویؒ، جنھیں بقول مہر صاحب ''خود شاہ (عبدالعزیز دہلویؒ) صاحب موصوف مولانا عبدالحیٔ کو ''شیخ الاسلام'' اور شاہ اسماعیل شہید کو ''حجۃ الاسلام'' فرمایا کرتے تھے۔'' (سیرت سید احمد شہیدؒ۔ ص:118) ان دونوں حضرات کو حضرت سید احمد شہیدؒ سے جوڑنے اور ان کا سامان اٹھا کر مسجد میں لاکر رکھنے کا حکم دینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ اس کام کی اجتماعیت قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ورنہ جو حضرات پہلے سے ''شیخ الاسلام'' اور ''حجۃ الاسلام'' ہوں، انھیں سید صاحبؒ سے تعلق قائم کرانے کا مطلب سوائے اس کے کہ رُشد و ہدایت کے اگلے باب کے لیے ایک اجتماعیت قائم یا بورڈ تشکیل دیا جائے۔ مولانا سندھیؒ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ: ''جن لوگوں نے امام ولی اللہ، امام عبدالعزیز اور اُن کے رُفقا کی کتابیں نہیں پڑھیں، وہ حزبِ ولی اللہ کے امتیازی خواص (خصوصیات) اچھی طرح نہیں سمجھ سکتے۔ اس حزب کے مقاصد کی توضیح جس قدر دنیائے اسلام کی مشترک زبان عربی میں ہے، اس سے بہت زیادہ پہلے فارسی زبان میں ہے۔'' (دیکھئے! شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ ص:28-127)

www.rahimia.org

غلام رسول مہر صاحب نے نہ تو ان حضرات کی عربی فارسی کتابیں پڑھیں اور نہ ہی اس پوری تحریک کو اجتماعی نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی۔ محض ایک شخصیت کے گرد پوری تحریک اور تاریخ گھمانے کی ناکام کوشش کی ہے۔ (آزاد)

57۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 53-152۔

58. التّمهيد لتعريف ائمّة التجديد. سبيل الرّشاد. النّوع الرّابع. فصل (6): فى تذكرة الصّدر الحميد. ص: 139. طبع: حيدر آباد، سندھ۔

59۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 56-155۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

60۔ ارواحِ ثلاثہ، یعنی حکایاتِ اولیا۔ مرتبہ: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ص: 89۔ طبع: دارالاشاعت، کراچی۔

61۔ ایضاً۔ ص: 109۔

62۔ حضرت سید صاحبؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''من تمطّى سنام الفضل و الكمال و تخطّى رقاب المجد و المعال، الدائر نعتهٗ فى المساجد و الأسواق، الغابر مدحهٗ فى نجوم الأطرار و الأغراق الشيخ الأجلّ مولانا محمّد اسحاق.''
(عکسی نقل مکاتیب سید احمد شہیدؒ۔ ورق: 87۔ طبع: مکتبہ سید احمد شہیدؒ، لاہور)

63۔ حضرت سید صاحبؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''من عبداللّٰه المنتهض لنصر دين اللّٰه إلٰى بدر سماء العزّ و العُلٰى و بذر شجرة الجود و السّخاء، عَلم العلم و الهدٰى، معلّم الحلم و التّقى، زبدة الأسلاف و قدوة الأخلاف، كمُل اللّٰه إفادتهما و حمل اللّٰه هدايتهما.'' (حوالہ بالا، ورق: 144 الف)

64۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 10-409۔ طبع: لاہور۔

65۔ حضرت سید صاحبؒ کا اصل خط یہ ہے:

''بسم اللّٰه الرحمٰن الرّحيم. من عبداللّٰه المنتهض لإعلاء كلمة اللّٰه، الناصح لكافّة المسلمين الملقّب بأمير المؤمنين إلٰى من ترقّى وردة التّدقيق، و تلقّى صفوة التّحقيق، طاهر الأخلاق، فاتح الأغلاق، الشّيخ الأجلّ، مولانا محمّداسحاق و إلٰى تاليه فى الفضائل و ثانيه فى الشّمائل، الزّكاء فى عقلهٖ مصبوب، و الإيمان فى قلبهٖ مصبوب الشيخ الجليل مولانا محمّد يعقوب زاد اللّٰه هدايتهما و ضاعف إفادتهما. أمّا بعد!

السّلام عليكم و رحمة اللّٰه و بركاتهٗ. فإنّ أنفع ما يتقوّى به عساكر الإسلام فى هٰذه الأيّام و أنفس ما يرغب إليه أولوا النّهٰى و الأحلام، و هو أن يّتشمّر الحذّاق من الرّجال فى أمر القتال، أولو البصيرة فى سياسة الجنود و الأبطال، لنصر المجاهدين، و كبت المعاندين، و قد سمعنا أنّ رجلين من سبّاق هٰذا الرّاعة، و حذّاق هٰذه الصّناعة، أحدهما: ان مشت خان و الآخر جزاى خان. راغبان إلٰى مرافقة جموع المجاهدين و معاونة جنود المجاهدين، و أنّ روحهما و إن كانت إلٰى هٰذا السّفر مائلة إلّا أنّهما عاجزان عن الزّاد و الرّاحلة و أنّهما ينتظران أن نخصّهما بالدّعوة إلٰى هٰذا الخطب الشّريف، فيقومان إذ ذاک من غير إمهال و تسويف، فلمّا كان كذالک أقدمنا علٰى ذالک فبعثنا إليهما أخانا الحبيب اللّبيب و الكيّس الأريب الدّائر السّائر حاجى محمّدصابر ليبلغ إليهما دعوة الخطب الجليل و يتكفّل لهما موؤنة سفر الطّويل. فالواجب عليكم أن تعطوه بقينا من مال بيت المال، و تعينوهٗ علٰى مااستعان بكم فى إتمام هٰذا المقال، و مشاركة فى بعض الأفعال و الأقوال، و الاعتماد فى أداء المال إليه، و فى تحويل هٰذا الخطب الجليل عليه علٰى كتابنا هٰذا. فإنّهٗ ينطق عن وثوقهٖ و عدالتهٖ و عن صدقهٖ فى معاملتهٖ و مقالتهٖ.''
(عکسی نقل مکاتیب سید احمد شہیدؒ۔ ورق: 87 ب و 88 الف۔ طبع: مکتبہ سید احمد شہیدؒ، لاہور)

66۔ عکسی طباعت وقائع سید احمد شہید۔ ص: 2273 تا 2275۔ طبع: سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

67۔ حضرت سید صاحبؒ کے اصل الفاظ یہ ہیں: ''فقد أتٰى السیّار المجد المسمّٰی بالشیخ پیر محمّد بکتاب کریم، و خطاب الذین أنشیتم مع عینٍ من أرض الکرم تابعۃٌ أعنی بھا سفتجۃ واحدۃٌ.''

(عکسی نقل مکاتیب سید احمد شہیدؒ۔ ورق: 87)

68۔ عکسی طباعت وقائع سید احمد شہید۔ ص: 2292، 2293 اور 2295۔ طبع: سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

69۔ سید احمد شہیدؒ۔ از مولانا غلام رسول مہر۔ ص: 60۔ طبع: شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

70۔ عکسی طباعت وقائع سید احمد شہید۔ ص: 12-11۔ طبع: سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

71۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 147۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

72۔ دیکھیے! ارواحِ ثلاثہ، یعنی حکایاتِ اولیا۔ مرتبہ: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ۔ ص: 115۔ طبع: دارالاشاعت، کراچی۔

73۔ ایضاً۔ ص: 15-114۔

74۔ عکس قلمی مکاتیب سید احمد شہیدؒ۔ ورق 44ب۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور۔

75۔ حضرت سندھیؒ نے یہاں بھی غالباً مرزا حیرت دہلویؒ کی کتاب کی بنیاد پر سن ۱۲۲۵ھ لکھا ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ اواخر ۱۲۲۶ھ/ 1811ء میں نواب امیر الدولہ ولد محمد امیر خان کے لشکر میں سید صاحبؒ تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے کہ ربیع الآخر ۱۲۲۶ھ/ 1811ء میں آپؒ کا رائے بریلی میں ہونا تاریخی دستاویزات سے ثابت ہے۔ جیسا کہ مولانا علی میاںؒ نے ''سیرت سید احمد شہیدؒ'' میں لکھا ہے۔

(دیکھیے! سیرت سید احمد شہیدؒ۔ جلد: 1۔ ص: 132۔ مطبوعہ: لکھنؤ۔)

76۔ حضرت سندھیؒ کے اس مؤقف پر مولانا غلام رسول مہر نے بلاوجہ کے شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور ''مخزنِ احمدی'' کی ایک روایت کی بنیاد پر لکھا ہے کہ:

''محض ذاتی الہام کی بنیاد پر سید احمد شہیدؒ نواب صاحب کے لشکر میں تشریف لے گئے تھے۔'' (دیکھیے! سیرت سید احمد شہیدؒ۔ ص: 93)

مہر صاحب کا مؤقف اس سلسلے میں قطعی غلط ہے۔ اس لیے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی تعلیم وتربیت جس ماحول میں ہوئی ہے، وہ اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ کوئی اقدام اپنے پیر ومرشد کی اجازت اور رہنمائی کے بغیر نہیں کرتے تھے۔ اسی لیے نواب امیر محمد خان کے لشکر سے واپسی پر حضرت سید احمد شہیدؒ نے تمام حالات کی رپورٹ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے گوش گزار کی۔ اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے نواب صاحب کے لشکر میں سات سالہ قیام کے دوران حضرت الامام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے رابطہ نہ رکھنے کی کون سی دلیل مہر صاحب کے پاس ہے!۔ جب کہ یہ حقیقت ہے کہ بعد کے تمام سفروں کے بارے میں حضرت سید احمد شہیدؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے باقاعدہ اجازت لی ہے اور اُن کے حکم سے تمام اسفار کیے ہیں۔ چناں چہ سہارن پور وغیرہ کی طرف کے سفر کے بارے میں خود مہر صاحب نے لکھا ہے: ''سب طالبانِ حق دہلی نہ پہنچ سکتے تھے، اس لیے طلبی کے خطوط آنے لگے۔ یہ خطوط زیادہ تر میرٹھ، مظفر نگر، اور سہارن پور سے آئے تھے۔ سید صاحبؒ نے شاہ اسماعیل (شہیدؒ) کی وساطت سے یہ خطوط شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں پہنچائے۔ اور پوچھا کہ: ''کیا حکم ہے؟'' انھوں نے فرمایا کہ: ''ضرور جائیے۔'' رُخصت کے وقت اپنا خاص لباس عنایت فرمایا، جو سفید رنگ کا تھا، صرف دستار سیاہ تھی۔'' (دیکھیے! سیرت سید احمد شہیدؒ۔ ص: 124)

نیز خود لکھتے ہیں: ''شاہ عبدالعزیز (دہلویؒ) دوآبے (گنگا و جمنا کے درمیان واقع سہارن پور، مظفر نگر کا علاقہ) کے دورے سے پیش تر جگہ جگہ خطوط بھی لکھا دیے تھے اور پیغام بھی بھیج دیے تھے کہ سید صاحب ہمارے آدمی ہیں، ان کی تواضع میں کوتاہی نہ ہو۔'' (ایضاً، ص: 129)

اسی طرح سید صاحبؒ کی بیعت لینے کے تذکرے میں لکھتے ہیں: ''سید صاحبؒ ''طریقۂ محمدیہ'' میں بیعت لیتے تھے۔'' (ایضاً، ص 131)

''طریقۂ محمدیہ'' کا تعین حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی تصنیفات بالخصوص ''التّفهيمات الإلٰهيه'' میں تفصیل سے بیان کیا ہے، جسے مولانا سندھیؒ نے ''التّمهيد لتعريف ائمّة التّجديد'' میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔

اسی طرح جب حضرت سید صاحبؒ نے حج پر جانے کا ارادہ کیا تو اس سلسلے میں بھی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ سے اجازت لی۔ اور نہ صرف اجازت، بلکہ حج پر جانے کے بارے میں مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ اور مولانا عبدالحئی بڑھانویؒ کے لکھے ہوئے ایک فتوے کے بارے میں پوچھا۔ جس کے جواب میں حضرت شاہ صاحبؒ نے لکھا کہ:

''علومِ دینیہ اور عقلیہ میں اسماعیل اور عبدالحئی کا پایہ مجھ سے کم نہیں ہے۔'' (ایضاً، ص:178)

اس لیے ان دونوں حضرات نے بعض علما کے اس فتوے کہ ''اس دور میں حج پر نہ جائیں'' کے خلاف جو فتاویٰ تحریر کیا ہے، وہ بالکل درست ہے۔ چناں چہ اسی بنیاد پر حضرت سید احمد شہیدؒ نے حج کے سفر کا ارادہ فرمایا۔

ان تمام تصریحات سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد جیسے مقدس فریضے کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کے پس پردہ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کا نہ صرف واضح حکم کارفرما تھا، بلکہ آپؒ کے تحریر کردہ فتویٰ دارالحرب اور فتویٰ عدمِ تعاون پر عمل درآمد کرنا تھا۔ سیّد صاحبؒ کے بارے میں یہ تجزیہ اور دعویٰ کرنا کہ ''وہ صرف ذاتی طور پر اس کام کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔'' سراسر غلط ہے۔

دراصل حقیقت یہ ہے کہ انگریز سامراج کے خلاف جدوجہد کرنے والی شخصیات ہی سیاسی تحریکات کے اصل مقاصد اور تقاضوں کو سمجھتی ہیں۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ اس قسم کی سیاسی تحریکات کے مراحل سے عملاً گزرے ہیں۔ اس لیے ولی اللّٰہی جماعت کے مجموعی فکر و عمل کے تناظر میں مولانا سندھیؒ کی بات بالکل درست ہے۔ عملی سیاست سے ہٹ کر محض صحافیانہ اور ادیبانہ نقطۂ نظر سے کتابیں تحریر کرنے والے اس حقیقت کا پورے طور پر ادراک نہیں کر سکتے۔ (آزاد)

77۔ حضرت سندھیؒ نے یہاں جو ۱۲۳۱ھ اور 1816ء لکھا ہے، درست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حضرت سید صاحبؒ نواب صاحب کی انگریزوں سے صلح ہونے کے بعد ان کے لشکر سے علاحدہ ہو کر شعبان ۱۲۳۳ھ/ جون 1818ء میں دہلی تشریف لائے ہیں۔ آپؒ کے آنے کے تھوڑے عرصے بعد دہلی میں طاعون کی وبا پھیلی۔ جس میں حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا ۶ر شوال ۱۲۳۳ھ/ 9راگست 1818ء میں انتقال ہوا۔ جیسا کہ اس کا تفصیلی واقعہ ''وقائع سید احمد شہیدؒ'' میں ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے! وقائع سید احمد شہیدؒ۔ ص:81 تا 89)

78۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 147۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942ء۔

79۔ عکسی طباعت وقائع سید احمد شہید۔ ص: 83 تا 85۔ طبع: سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

80۔ عکسی طباعت وقائع سید احمد شہید۔ ص: 86۔ طبع: سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

81۔ **التّمهيد لتعريف ائمّة التجديد. سبيل الرشاد. النوع الرابع. فصل (3): فى تذكرة الأمير الشهيد. ص: 35-134. طبع: حيدر آباد، سندھ۔**

82۔ عکسی طباعت وقائع سید احمد شہید۔ ص: 136۔ طبع: سید احمد شہید اکیڈمی، لاہور۔

83. **التميهد لتعريف ائمّة التجديد. سبيل الرشاد. النوع الرابع. فصل (3): فى تذكرة الأمير الشهيد. ص: 35-134. طبع: حيدر آباد، سندھ۔**

کتاب ''صراطِ مستقیم'' کے دیباچے میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ عاجز (سید احمد شہید کی) اس مجلس عالی میں کلماتِ ہدایت سننے میں کامیاب ہوا تو عام مسلمانوں کی نصیحت اور طالبانِ قربِ الٰہی کی خیرخواہی کا یہ تقاضا ہوا کہ غائبین بھی ان فیوضِ الٰہیہ میں حاضرین کے ساتھ شریک ہوں۔ اس کا طریقہ اس کے علاوہ کوئی نہیں کہ ان بلند پرواز مضامین کو تحریر کے پنجرے میں قید کیا جائے۔ ...اس کتاب کی اثنائے تحریر میں چند اوراق جناب افادت مآب، قدوۂ فضلائے

زمان، زبدۂ علمائے دوران مولانا عبدالحئی ادام اللہ برکاتہ — جو حضرت سید صاحب کی بارگاہِ عالی کے ملازموں کے سلک میں منسلک ہیں — کے لکھے ہوئے ہیں۔ ......قارئین کے سمجھانے کی سہولت کے لیے بعض مقامات میں کسی قدر تقدیم و تاخیر اور بعض جگہ چند مقدمات کی تمہید اور تمثیلات بیان کرنے اور سلف کی اصطلاحات سے تطبیق دینے کی ضرورت پڑی۔ خاص **قطب المحقّقین، فخر العرفاء المکمّلین، أعلمهم بالله، حضرت شیخ ولی الله قُدِّس سِرُّہٗ** کی اصطلاح سے مطابق کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوا۔....اس کتاب کا نام ''صراطِ مستقیم'' رکھا۔ اور ایک مقدمہ اور چار باب اور ایک خاتمے پر اس کو مرتب کیا گیا۔ بابوں کو فصلوں پر اور فصلوں کو ہدایات پر اور ہدایات کو تمہیدات اور افادات پر تقسیم کیا۔ مبادی کو لفظِ ''تمہید'' سے اور مقاصد کو لفظِ ''افادہ'' سے شروع کیا۔''

(دیباچہ: صراطِ مستقیم۔ از: سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ۔ اردو ترجمہ: مولانا محمد اکرم۔ مطبوعہ: اسلامی اکیڈمی، اردو بازار، لاہور)

84۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 14-413۔ طبع: لاہور۔

85۔ سیرت سید احمد شہید۔ از مولانا غلام رسول مہر۔ ص: 178۔ طبع شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

86۔ ایضاً۔ ص: 224۔

87۔ ایضاً۔ ص: 228۔

88. **التمهيد لتعريف ائمّة التجديد. سبيل الرشاد. النوع الرابع. فصل (3): فی تذكرة الأمير الشهيد. ص: 135. طبع: حيدر آباد، سندھ۔**

89۔ تلخیص از سیرت سید احمد شہیدؒ۔ مؤلفہ: مولانا غلام رسول مہر۔

90۔ نقش حیات۔ از حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ ج: 2۔ ص: 12-11۔ طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند۔

91۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

''از مدت چند سال بتقدیر قادر فعال حال حکومت و سلطنت ایں ممالک بریں منوال گردیدہ کہ نصارائے نکوہیدہ خصال و مشرکین بدمآل بر اکثر بلادِ ہندوستان از لبِ دریائے اباسین (دریائے سندھ) تا ساحل دریائے شور کہ تخمیناً شش ماہہ راہ باشد تسلط یافتند۔ و دامِ تشکیک و تزویر بنا بر اخمالِ دینِ ربِ خبیر بر باختند و تمامے آں اقطاع بہ ظلماتِ ظلم و کفر مشحون گردانیدند۔''

(عکس قلمی مکاتیب سید احمد شہید۔ ورق نمبر 25۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

92۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

''کفارِ فرنگ کہ بر ہندوستان تسلط یافتہ اند نہایت تجربہ کار، و ہوشیار اند۔ وحیلہ باز و مکار۔'' (حوالہ بالا۔ ورق: 28)

93۔ نقش حیات۔ از حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ نقش حیات۔ ج: 02۔ ص: 13۔ طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند۔

94۔ حضرت سید صاحبؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

''بر رائے عالی روشن و مبرہن است کہ بیگانگانِ بعید الوطن ملوکِ زمین و زماں گردیدہ۔ و تاجرانِ متاع فروش بہ پایۂ سلطنت رسیدہ۔ امارت امرائے کبار و ریاست رؤسائے عالی مقدار بر باد نمودہ اند۔ و عزت و اعتبارِ ایشاں بالکل ربودہ۔ چوں اہل ریاست و سیاست در زاویۂ خمول نشستہ اند، ناچار چندے از اہل فقر و مسکنت کمر ہمت بستہ۔ ایں جماعتِ ضعفاء محض بناء بر خدمت دین ربّ العالمین ہرگز ہرگز از دنیاداران جاہ طلب نیستند، محض بنا بر خدمتِ دین ربّ ذوالجلال برخواستہ اند، نہ بناء بر طمع مال و منال۔ وقتیکہ میدانِ ہندوستان از بیگانگانِ دشمنان خالی گردیدہ، و تیر سعیٔ ایشاں بر ہدفِ مراد رسیدہ۔ آئندہ مناصب ریاست و سیاست بہ طالبینِ آں مسلّم باد۔ و بیخ شوکت و سطوتِ ایشاں محکم شود۔ ایں ضعفاء را از رؤسائے کبار و عظمائے عالی مقدار ہمیں قدر مطلوب است کہ خدمتِ اسلام بہ جان و دل کنند و بر مسندِ مملکت متمکن شوند۔'' (نقش حیات۔ از مولانا حسین احمد مدنی۔ ج: 2۔ ص: 14-13۔ بحوالہ مجموعہ خطوط قلمی از سید احمد شہیدؒ۔ ص: 14)

www.rahimia.org

95۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

''دریں صورت مناسب وقت چناں مے نماید کہ ریاست پیرائے، سیاست آرائے، عظمت نشان راجہ ہندو رائے را ایں معنی بہ فہمانند کہ اکثر بلادِ ہندوستان بدست بیگانگان اُفتادہ۔ و ایشاں ہر جاہ بنیاد و آئین ظلم و جور نہادہ۔ ریاست رؤسائے ہندوستان بر باد رفتہ۔ کسے تابِ مقاومت ایشاں نمے دارد، بلکہ ہر کس ایشاں را آقائے خود مے شمارد۔ و چوں رؤسائے کبار از مقابلہ ایشاں نشستند، لاچار چند کس از ضعفائے بے مقدار کمر بستند۔ پس دریں صورت رؤسائے عالی مقدار را لازم چناں کہ برمسندِ ریاست سال ہا سال متمکن ماندہ اند۔ بالفعل دراعانتِ ضعفائے مذکورین مساعیٔ بلیغہ بجا آرند۔ وآں را باعث استحکام بنیانِ ریاستِ خود شمارند۔''

(حوالہ بالا۔ ص:15-14۔ مجموعہ خطوط قلمی۔ ص:14)

96۔ القرآن 249:2۔

97۔ نقش حیات۔ از حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ نقش حیات۔ ج:2۔ ص:16-15۔ طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند۔

98۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص:10۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942۔

99۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 09-408۔ طبع: لاہور۔

100۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''الخیر الکثیر'' میں لکھتے ہیں:

''و الدّولة بحسب الظّاهر ينقسم علٰى شعوب النّاس لكلّ فى زمانٍ، و كان للحِجاز، ثمّ للعِراق، ثمّ لأهل الفارس، ثمّ لأهل الهِند، و رجع اليوم إلى الأفاغنه، و كذٰلك الدّولة الباطنيّة علٰى هٰذا التّرتيب و لكنّ الأفاغنه و أهل الفارس لا يوجد فيهم الإنسلاخ قطّ، فكمالاتُهم مزاجيّة.'' (ہر زمانے میں ظاہری طور پر حکمرانی کی اہلیت انسانی جماعتوں پر (اہلیت کے مطابق) تقسیم ہوتی چلی آ رہی ہے۔ سب سے پہلے حجاز کے عربوں کے لیے حکمرانی تھی، پھر عراقیوں کے لیے تھی، پھر اہل فارس (ایران) کے لیے تھی، پھر ہندوستان والوں کے لیے تھی، اور آج اس زمانے میں افغانیوں کے پاس چلی گئی ہے۔ ایسے ہی باطنی حکمرانی بھی اسی ترتیب پر ہے، لیکن افغانی اور ایرانی اپنی طبیعتوں سے مکمل طور پر علاحدہ نہیں ہو سکتے، اس لیے ان کے کمالات ان کی طبیعتوں کے ساتھ مخلوط ہیں۔) (الخیر الکثیر (عربی)۔ ص:164۔ طبع: پشاور۔ 1959ء)

101۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص:405۔ طبع: لاہور۔

102. التمهيد لتعريف ائمّة التجديد. سبيل الرشاد. النوع الرابع. فصل (3): فى تذكرة الأمير الشهيد. ص: 135. طبع: حیدرآباد، سندھ۔

103۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کی اصل عبارت یہ ہے:

''از جملہ تائیداتِ الٰہی ایں است کہ اجتماعِ جنودِ مجاہدین ہر چند بسیار از بسیار بود، لیکن از بسکہ لشکر بے سر بود، مثل بلوائے عام۔ و در کوچ و مقام بے انتظام مے نمود۔ بناءً علیہ بر طبقِ فحوائے مضامین کلامِ ملک علام، و احادیثِ سیّد الأنام عليه الصّلوٰة و السّلام وفتوائے فقہائے عظام وصواب دیدِ ذوی الافخام مصلحتِ وقت چناں اقتضاء کرد کہ اقامتِ ایں رکن اسلام بدونِ نصب امام بہ وجہے مشروع صورت نمی بندد۔ بناءً علیہ دواز دہم جماد الثانیہ ۱۲۴۲ھ مقدس بہ اتفاقِ مشاہیر ساداتِ کرام، و علمائے اعلام، و مشائخ عظام، و صاحبزادگانِ ذوی الاحترام، و خوانین ذوی الاحتشام، و جماہیر خواص و عوام از اہلِ ایمان و اسلام، بیعت امامت بردستِ ایں جانب واقع گردید و بروز جمعہ خطبہ بنامِ ایں جانب خواندہ شد۔ ہر چند ایں عاجز خاکسار و ذرۂ بے مقدار بہ حصولِ ایں مرتبۂ منیف اوّلاً: بہ اشاراتِ غیبی و الہاماتِ لاریبی مبشر بود۔ ثانیاً: بہ حصولِ ایں منصبِ شریف بہ اتفاقِ جماعاتِ اہل اسلام از خواص و عوام مشرف گردید۔ لیکن ربّ غيور عليم بما فى الصدور ودانائے نہاں و آشکار و محیط بہ مراتبِ اعلان و اسرار است گواہ است۔ بریں معنی کہ ایں فقیر را از قبولِ ایں

www.rahimia.org

منصب شریف غیر از اقامتِ جہاد وصحتِ جمعہ واعیاد وامثالِ آں از اظہار احکامِ دین واعلائے کلمۂ ربّ العالمین۔ غرضے دیگر از اغراضِ دنیویہ مثل تحصیل مال وعزت وجاہ وسلطنت باحصولِ معنی تسلط برائے قریٰ وامصار واضلاع واقطار بتضلیل اہل سیاست وریاست وبا اہانت اربابِ ایالت وباتنفیذِ احکامِ خود بر بندگانِ ملک دیّان بتحصیل معنی ترفع براخوان واقران ہرگز ہرگز نیست۔ بالجملہ شعبۂ وسوسۂ شیطانی وشائبۂ ہوائے نفسانی بہ ایں داعیۂ رحمانی اصلاً مخلوط نہ گردیدہ۔'' (عکس قلمی مکاتیب سید احمد شہیدؒ۔ ورق: 59۔ طبع: مکتبہ رشیدیہ، لاہور)

104۔ القرآن 2:159۔

105۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے لشکر میں کھانے وغیرہ اشیا کی تقسیم کا نظام مساوات کے اصول پر کام کرتا تھا۔ ''وقائع سید احمد شہید'' میں ہے کہ:
''حضرت (سید احمد شہید) علیہ الرحمہ کے لشکر پیکر میں تقسیم غلے کا ایک ''تالموٹ'' (پیمانہ) تھا۔ اس میں تین پاؤ آٹا آتا تھا۔ وہی ہر ایک کو ایک تالموٹ غلہ یا آٹا ملتا تھا۔ سو اُس روز بہ سببِ قلتِ غلہ کے تین تین آدمیوں میں ایک ایک تالموٹ آٹا تقسیم کیا گیا۔ سب نے اپنے کھانے پینے کی تیاری کی، پھر کھا پی کر اپنی اپنی خدمت پر مستعد ہوئے۔'' (عکس قلمی نسخہ وقائع سید احمد شہیدؒ۔ ص:1095۔ طبع: لاہور)

106۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 415 تا 417۔ طبع: لاہور۔

107۔ حضرت سید احمد شہیدؒ علما کے نام اپنے ایک مکتوب ''مکتوبہ مؤرخہ ۱۹ / ربیع الثانی ۱۲۴۵ھ (ستمبر 1829ء)'' میں لکھتے ہیں:
''دریں ایام چناں مسموع گردید کہ بعض از مجادلینِ بے انصاف ومکابرینِ بااعتساف چندے از وساوس فساد انگیز، وشبہات عناد آمیز بہ نسبتِ ما فقرائے مہاجرین وضعفائے مجاہدین برتافتہ در جمہورِ انام از خواص وعوام منتشر ساختہ۔ ... **معاذ اللّٰہ من ذالک**۔ ....
از جملہ مفتریاتِ آں مفتریاں آں است کہ: ایں فقیر را بلکہ زمرۂ مجاہدین را بالحاد وزندقہ نسبت مے نمایند، یعنی چناں اظہار مے کنند کہ ایں جماعت مسافرین ہیچ مذہب ندارند، وبہ ہیچ مسلک تقید نیستند، بلکہ محض راہِ نفسانیت مے پویند، وبہر وَجہ لذاتِ جسمانی مے جویند خواہ موافق کتاب باشد خواہ مخالف۔ **معاذ اللّٰہ من ذالک**۔
پس باید دانست کہ نسبتِ ما مردم بایں امر شنیع افترائے است قبیح وبہتانِ است صریح، ایں فقیر وخاندانِ ایں فقیر در بلادِ ہندوستان گمنام نیست، الوف الوف انام از خواص وعوام، ایں فقیر واسلافِ ایں فقیر را مے دانند کہ مذہبِ ایں فقیر اباً عن جدٍ مذہب حنفی است، وبالفعل ہم جمیع اقوال وافعال ایں ضعیف برقوانین اصولِ حنفیہ، وآئین قواعدِ ایشاں منطبق است، ہم گی ازاں خارج از اصولِ مذکورہ نیست، **إلاّ ماشاء اللّٰہ** ۔ .... آرے در ہر مذہب طریق محققین دیگر مے باشد، وطریقے غیر ایشاں دیگر۔ ترجیح بعضے روایات بر بعضے دیگر نظر بہ قوتِ دلیل، توجیہ بعضے عبارات منقول از سلف، وتطبیق مسائل مختلفہ مدوّن در کتب وامثالِ ذالک دائماً از کاروبارِ اہل تدقیق وتحقیق است۔ بہ ایں سبب ایشاں خارج از مذہب نمے توانند شد، بلکہ ایشاں را لب لبابِ اہل مذہب باید شمرد۔''
(انھی دنوں میں جیسا کہ سنا گیا ہے کہ عدل و انصاف سے عاری بعض تنگ دل، جھگڑالُو لوگ، سچائی کا انکار کرنے والے ہم فقرائے مہاجرین اور ضعفائے مجاہدین کے بارے میں فساد پھیلانے والے خیالات اور دشمنی کا اظہار کرنے والے شکوک وشبہات عام و خاص لوگوں میں پھیلا رہے ہیں۔ ... اللہ ان سے پناہ میں رکھے۔ .... ان کی جھوٹی اور گھڑی ہوئی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس فقیر بلکہ تمام مجاہدین کی جماعت پر الحاد و زندقہ کا الزام لگاتے ہیں۔ چناں چہ یہ پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ مسافرین کی جماعت کوئی مذہب نہیں رکھتی۔ اور یہ کسی مسلک کی پابند نہیں ہے۔ بلکہ محض خواہشاتِ نفسانی کے راستے پر چل رہے ہیں۔ اور ان کا مقصد سوائے جسمانی لذات حاصل کرنے کے اور کچھ نہیں۔ خواہ کوئی بات کتاب اللہ کے موافق ہو یا مخالف۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔
جاننا چاہیے کہ ہمارے متعلق اس قسم کا غلط پراپیگنڈا سراسر جھوٹ اور واضح بہتان ہے۔ یہ فقیر اور اس فقیر کا خاندان ہندوستان کے شہروں میں گم نام نہیں ہے۔ ہزار ہا ہزار لوگ عوام و خواص میں سے اس فقیر اور اس کے اسلاف (شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) کو جانتے ہیں کہ اس فقیر کا مذہب باپ دادا سے مذہبِ حنفی چلا آ رہا ہے۔ اور عملی طور پر اس کمزور بندے کے تمام اقوال و افعال، اصولِ

www.rahimia.org

احناف کے قوانین اور ان کے قواعد و دستور العمل پر پورا اترتے ہیں۔ وہ کسی بھی طور پر احناف کے اصولِ مذکورہ سے خارج نہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ البتہ ہر مذہب میں محققین کا طریقہ عام لوگوں سے ہٹ کر ہوتا ہے۔ اور غیر محققین کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے۔ چناں چہ ہمیشہ اہل تحقیق و تدقیق کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ بعض روایات کو بعض پر دلیل کی قوت کی بنیاد پر ترجیح دیتے ہیں۔ اور سلف سے منقول شدہ بعض عبارات کی دلائل کی بنیاد پر صحیح توجیہ کرتے ہیں۔ اور کتابوں میں مدوّن شدہ مسائل کے درمیان تطبیق دیتے ہیں۔ لیکن اس وَجہ سے وہ فقہی مذہب کے دائرے سے خارج نہیں ہوجاتے۔ بلکہ ایسے لوگوں کو تو فقہی مذہب کا لبِ لباب اور مغز سمجھا جاتا ہے۔)

(مکاتیب سید احمد شہیدؒ، عکس قلمی نسخہ، ورق 116، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، لاہور، نومبر 1975ء)

108. التمهيد لتعريف ائمّة التجديد. سبيل الرشاد. النوع الرابع. فصل (3): فى تذكرة الأمير الشهيد. ص: 135. طبع: حيدرآباد، سندھ.

109۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 18-417۔ طبع: لاہور۔

110۔ امالی عبیدیہ قلمی۔ املا از امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ضبط و تحریر: مولانا بشیر احمد لدھیانویؒ۔ نقل: مولانا مقبول عالم۔ ص: 35-334۔

111۔ القرآن 13:3۔

112۔ ''شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک'' میں یہاں پر اصل عربی عبارت ہے۔ ہم نے یہاں صرف ترجمہ دیا ہے۔ مقدمہ ''المسوّٰی'' کی اصل عبارت یہ ہے: ''النهضة الّتى قام بها الإمام عبدالعزيز الدهلویؒ ارتقت من ۱۲۴۲ھ إلى الحكومة الموقّتة الهنديّة فى جبال الأفغانيّين من حدود الهند. و رئيس تلك الحكومة الشّرعيّة كان امير المؤمنين السّيّد احمد الدهلوى (الأمير الشّهيدؒ) و صدارة وزرائها تستند إلٰى مولانا عبدالحئى الدهلوى (الصدر السعيدؒ) و الأمور الحربية و السّياسيّة كانت موكولةً إلٰى مولانا محمّداسماعيل الدهلوى (الصدر الشهيدؒ). و أمّا الأمور الّتى تشبه الداخلية من جمع الأموال و حشر الرّجال و غيرهما فكان وكيلها فى الدّهلى مولانا محمّداسحاق (الصدر الحميدؒ) و فى السابع و العشرين من ذى القعدة ۱۲۴۶ھ (يوافق ۱۰ / مايو ۱۸۳۱ء) استشهد الأمير و أصحابهٗ فى بالاكوٹ قريةٌ علٰى حدود كشمير. كتبهٗ عبيدالله بن الإسلام السندهى الديوبندى. و آخر دعوانا أن الحمد لله ربّ العالمين.''

113۔ خطبات و مقالات۔ مقالہ: شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ استدراک و تصحیح۔ ص: 413 تا 415۔ طبع: لاہور۔

114۔ نقش حیات۔ از حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ۔ نقش حیات۔ ج: 02۔ ص: 17-16۔ طبع: مکتبہ دینیہ، دیوبند۔

115۔ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک۔ از مولانا عبیداللہ سندھیؒ۔ ص: 175۔ طبع: کتاب خانہ پنجاب، لاہور۔ 1942۔

☆

www.rahimia.org

رپورٹ

''سوانح حیات قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' کی تقریبِ رونمائی کی روداد

رپورٹ: انیس احمد سجاد ایڈووکیٹ

(خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے بانی حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی سوانح حیات رحیمیہ مطبوعات لاہور سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کی تقریبِ رونمائی ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کی طرف سے قائدِ اعظم لائبریری کے اشتراک سے مؤرخہ 28/ جنوری 2017ء، بروز ہفتہ بوقت 1:30 بجے دوپہر کو سیمینار ہال، قائدِ اعظم پبلک لائبریری، باغِ جناح، لاہور میں منعقد ہوئی۔ جس میں کتاب کے مصنف حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری (مسند نشین خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور)، مہمانِ خصوصی: ڈاکٹر سعید الرحمٰن (پروفیسر موسیٰ پاک شہید چیئر، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان)، مہمانِ اعزازی: ڈاکٹر ظہیر احمد بابر (ڈائریکٹر جنرل پنجاب پبلک لائبریریز) اور مقررین میں مفتی محمد مختار حسن (ڈائریکٹر ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) پشاور)، پروفیسر امجد علی شاکر (سابق پرنسپل اسلامیہ کالج، ریلوے روڈ، لاہور)، ڈاکٹر محمود الحسن عارف (سابق ڈائریکٹر دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) اس تقریب کی صدارت مفتی عبدالمتین نعمانی (صدر ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور) نے کی، جب کہ ناظم اجلاس جناب شاہ زیب خان (اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ انگریزی زبان و ادب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) تھے۔ اس تقریب میں تلاوت مولانا قاری عبدالرؤف اور نعت رسولِ مقبول ﷺ مولانا قاری محبوب الرحمٰن انور نے پیش کی۔ اس موقع پر قائدِ اعظم لائبریری کی لائبریرین محترمہ عائشہ سبحانی صاحبہ نے لائبریری کا تعارف بھی پیش کیا۔ اس تقریب کی روداد ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔ مدیر)

سب سے پہلے ناظمِ اجلاس نے خطبہ مسنونہ کے بعد کتاب کا تعارف کراتے ہوئے کہا:

''سوانح حیات قطبِ عالم حضرتِ اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ'' وہ کتاب ہے، جس کی تقریبِ رونمائی میں ہم شریک ہیں۔ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کے شعبۂ تعلقاتِ عامہ اور قائدِ اعظم لائبریری کے اشتراک سے آج اس تقریب کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آپ میں سے اکثر کو معلوم ہے کہ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ لاہور گزشتہ ڈیڑھ دہائی سے نوجوانانِ پاکستان میں دینی علوم کی تعلیم کی ایک درس گاہ ہے، جو اپنی نوعیت کا واحد ادارہ ہے۔ جس میں مدارس اور یونیورسٹی کے طلبا دینِ اسلام کی جامعیت پر مبنی تعلیمات سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ یہ سارا عمل جید علمائے دین کی رہنمائی اور توجہات کے زیرِ نگرانی جاری و ساری ہے، بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ وہ کام جس کا آغاز حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے والدِ گرامی حضرت شاہ عبدالرحیم دہلویؒ نے دہلی میں مدرسہ رحیمیہ اور بیسویں صدی میں انسانی قلوب کی تربیت گاہ کے طور پر حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے خانقاہ کی شکل میں رائے پور میں قائم کیا تھا، یہ ادارہ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ آج ہم اسی ادارے

کے شعبۂ مطبوعات کے تحت چھپنے والی کتاب ''سوانح حیات قطبِ عالم حضرتِ اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ'' جو حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری نے تحریر فرمائی ہے، اس کی تقریبِ رونمائی میں شریک ہیں۔ ہم انتہائی ممنون ہیں کہ ہمارے ساتھ سٹیج پر انتہائی اہم شخصیات موجود ہیں۔ اس سے پہلے کہ میں آج کے پہلے مقرر کو دعوت دوں کہ وہ اس کتاب پر گفتگو فرمائیں، میں چاہوں گا کہ آپ کو ان شخصیات کا تعارف پیش کروں۔

ہمارے ساتھ موجود ہیں صاحبِ کتاب حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری جو کہ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ میں ناظم اعلیٰ کے طور پر اپنے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ آپ ولی اللّٰہی علوم و فلسفہ اور آج کے دور میں اس کے اطلاق پر گہری دسترس رکھتے ہیں۔ تاریخی، سماجی و دینی موضوعات پر اَن گنت مقالہ جات کے مصنف ہیں۔ سہ ماہی تحقیقی مجلّہ ''شعور و آگہی'' لاہور کے مدیرِ اعلیٰ ہیں۔ آپ سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے صدر نشین ہیں۔ اس کتاب کی تصنیف اور آج یہاں آپ کی موجودگی ہمارے لیے باعثِ برکت ہے اور ہم آپ مشکور ہیں۔ آج کی تقریب کی صدارت فرما رہے ہیں حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب۔ آپ صدر ہیں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے۔ جید عالمِ دین ہیں۔ دین کی جامعیت کے امین ہیں اور کئی دہائیوں سے نوجوانانِ ملت کی تربیت کا کام جاں فشانی سے فرما رہے ہیں۔ ہم آپ کی یہاں موجودگی کے حوالے سے شکرگزار ہیں۔ آج کی تقریب کے مہمانِ خصوصی جناب پروفیسر ڈاکٹر سعیدالرحمٰن صاحب ہیں۔ آپ آج کل بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی میں موسیٰ پاک شہید چیئر پر اپنے تحقیقی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ بہت سی شاہکار دینی تصانیف کے مصنف ہیں۔ آپ ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ کے سرپرست بھی ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارے ساتھ موجود ہیں مولانا مختار حسن صاحب، جو کہ ڈائریکٹر ہیں ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ پشاور کیمپس کے، اور آج خصوصی شرکت کے لیے خیبر پختونخواہ سے تشریف لائے ہیں۔ ہم آپ کے بے حد ممنون ہیں۔ ہم انتہائی ممنون ہیں کہ ہمارے ساتھ پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب موجود ہیں، جو کہ جامعہ پنجاب لاہور میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے سابق ڈائریکٹر رہے ہیں اور بہت سی تحقیقی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ہمارے ساتھ موجود ہیں پروفیسر امجد علی شاکر صاحب، جو کہ لاہور کے ایک تاریخی کالج 'اسلامیہ کالج ریلوے روڈ' میں بہ طورِ پرنسپل بھی تعینات رہے ہیں۔ بہت سے تاریخی اور انتہائی اہم علمی موضوعات پر کتب کے مصنف ہیں۔ اسی طرح ہمارے ساتھ موجود ہیں ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ سکھر کیمپس کے ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر لیاقت علی شاہ صاحب۔ ہم آپ تمام احبابِ گرامی کے ممنون ہیں کہ آپ آج یہاں تشریف لائے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو مولانا عبدالسمیعؒ نائب ناظم جمعیت الانصار نے یوں خراجِ تحسین پیش کیا ہے ؎

اے نور آفتابِ شریعت کہاں ہے تو؟ اے ساغرِ شرابِ شریعت کہاں ہے تو؟\
مفتاحِ قفلِ بابِ سیاست کہاں ہے تو؟ دیباچۂ کتابِ شریعت کہاں ہے تو؟\
جوشِ غمِ فراق میں ہم ناصبور ہیں اے شیخِ مستطاب! کہاں اب حضور ہیں؟

میں ملتمس ہوں صدرِ مجلس جناب مفتی عبدالمتین نعمانی صاحب سے کہ وہ تشریف لائیں اور آج کی اس تقریب، تصنیف اور موضوعِ تصنیف پر اپنی گفتگو فرمائیں۔''

www.rahimia.org

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا مقام اور خانقاہِ رائے پور کا امتیاز

(خطاب مفتی عبدالمتین نعمانی)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہِ الکریم. أمّا بعد فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم. أَلَآ إِنَّ أَوۡلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ[1] صدق اللّٰہ العظیم.

میرے انتہائی قابلِ احترام معزز مہمانانِ گرامی اور قابلِ احترام معزز حاضرین! آج کی یہ بابرکت تقریب حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی سوانح کے حوالے سے منعقد ہو رہی ہے۔ اس کتاب کو خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے موجودہ مسند نشین حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے انتہائی محنت، کوشش، جدوجہد اور تحقیق کے ساتھ مرتب کیا ہے۔ انھوں نے اُن کے حالاتِ زندگی کو، اُن کی تعلیم و تربیت کو، ترقی کے مراحل طے کرتے ہوئے اپنے مشائخ سے روحانی تربیت لیتے ہوئے، اپنے اساتذۂ کرام سے علومِ دینیہ کو سیکھتے ہوئے، پھر خطے کے معروضی حالات کو سامنے رکھ کر بڑے بڑے اکابرین علمائے ربانیین کے ساتھ مل کر اس خطے کی آزادی اور حریت کے لیے، اس خطے میں دین کی حفاظت کے لیے، اس خطے میں اپنے مریدین کی صحیح تربیت کے لیے، شریعت، طریقت اور سیاست کے جامع تصور پر جو ایک کردار ادا کیا ہے، اُس کو اس کتاب میں ہمارے سامنے اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔

دین کا صحیح تعارف، اُس کا تاریخی تسلسل، ہر قسم کی گمراہیوں سے بچانا، دور کے فتنوں سے بچانا، حضرات اکابرین، جو سچے علمائے ربانی ہیں، ان کے پروگرام اور مشن کا صحیح تعارف کرانا، یہ آج کے دور کا سب سے بڑا تقاضا ہے۔ جب کسی قوم پر زوال آجاتا ہے تو فتنے سر اُٹھانے لگتے ہیں۔ گمراہی کے ہزاروں راستے کھل جاتے ہیں۔ دین مغلوب ہوجاتا ہے۔ نئے نئے فرقے وجود میں آتے ہیں۔ سسٹم اپنی حفاظت اور اپنے پروگرام کو آگے بڑھانے کے لیے بہت سی شخصیات اور جماعتوں کو پیدا کرتا ہے۔ وہ فکری حملہ بھی کرتا ہے، سیاسی حملہ بھی کرتا ہے، معاشی حملہ بھی کرتا ہے اور غلامی کا ایک نظام سوسائٹی پر غالب آکر اُس خطے کی اقوام کو ترقی سے محروم کر دیتا ہے۔ ایسے حالات میں جو شخصیات نہ مرعوب ہوئی ہیں، جنھوں نے نہ غلامی کو قبول کیا، نہ پروپیگنڈے کا شکار ہوئے، نہ کسی شہرت کی طرف گئے، بلکہ حقیقی معنوں میں جو کردار ادا کرنا چاہیے تھا، وہ ان اکابرین نے ادا کیا۔

آپ اس کتاب کے مطالعے سے اچھی طرح یہ بات سمجھیں گے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا بہت گہرا تعلق آزادی اور حریت کے مجاہدِ اعظم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے کتنا گہرا تھا۔ جنھوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی صحبت اٹھائی، ان کے ساتھ جدوجہد کی۔ ان کے دست و بازو بنے۔ حضرت شیخ الہندؒ جن سے رہنمائی لیتے تھے، مشورہ کرتے تھے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی تاریخ میں حضرت شیخ الہندؒ سے جڑنے والا، اُن کی تحریک کا حصہ بننے والا کامیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعے کے بعد آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایسے فرد کو دنیا کی کوئی طاقت نہ جھکا سکی ہے، نہ اپنے پیچھے لگا سکی ہے۔ انھوں نے یہ فریضہ اپنے دین کے تقاضے کو سامنے رکھ کر ادا کیا۔ دینی تقاضا سب سے اہم تھا کہ جس پر چل کر ہم اپنی آزادی اور حریت کی حفاظت بھی کر سکتے ہیں۔ ہم معاشی خوش حالی بھی لا سکتے ہیں۔ ہم دین میں تجدید کا کردار بھی ادا کر سکتے ہیں۔ حالاتِ حاضرہ کو

www.rahimia.org

سمجھتے ہوئے دین کو بہ طور سسٹم کے انسانیت کے سامنے پیش کرنے کی اہلیت، یہ اکابر علمائے ربانی کی صحبت سے آیا کرتی ہے۔

الحمدللہ! اس کتاب کے پڑھنے کے بعد آج ہمیں اندازہ ہوگا کہ دین کا سیاسی شعور، معاشی شعور، سماجی شعور، فقاہت، تصوف کا صحیح تعارف، غلط اور صحیح تصوف میں فرق کرنا، غلط اور صحیح سیاست میں فرق کرنا، غلط اور صحیح معاشی نظام کی پہچان حاصل کرنا، قرآن حکیم کا صحیح فہم پیدا کرنا، خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور کا سب سے بڑا امتیاز رہا ہے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد ہمیں نظر آئے گا کہ قرآن حکیم کے یہ کتنے سچے عاشق اور اس کے سمجھنے والے تھے۔ اللہ سے تعلق جوڑ کر، قرآن حکیم سے سچا تعلق قائم کر کے، اس کو دنیا کے سامنے اس طرح پیش کرنا کہ قرآن حکیم کے دیے ہوئے اصول، قاعدے، ضابطے قوموں کو زوال سے نکال کر عروج کی طرف کیسے لے کر جاتے ہیں۔ انسانیت کے مسائل کیسے حل کرتے ہیں۔ اس کے اندر اعلیٰ شعور کیسے پیدا کرتے ہیں۔ یہ ان اکابرین کو اگر ہم پڑھیں تو رسمی تفسیروں سے، رسمی مذہبی ذہنیتوں سے بچ جائیں گے۔ اور ہم قرآن حکیم کا صحیح فہم اور آزادی اور حریت کی تحریک کا صحیح تعارف حاصل کر سکتے ہیں۔

میرے عزیز دوستو! کسی بھی قوم پر سب سے زیادہ زوال اس وقت آتا ہے جب فکری طور پر اس کو انتشار کا شکار بنا دیا جائے۔ فکری انتشار، ذہنی صلاحیتوں کو تباہ کرتا ہے۔ اس میں دین کی حفاظت کیسے ہوسکتی ہے؟ دین کا صحیح تعارف کیسے کرایا جاسکتا ہے؟ حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ تک اس کتاب کے اندر آپ کو یہ ساری تاریخ ملے گی۔ حقائق کھلیں گے۔ انکشافات ہوں گے۔ دین کا صحیح تعارف حاصل ہوگا۔ اور آج دور کا جو سب سے بڑا تقاضا ہے کہ دین کا صحیح تعارف حاصل ہو۔ آج دین سیاسی طور پر مغلوب ہے۔ ہمیں نماز پڑھنے سے انگریز نے منع نہیں کیا۔ روزہ رکھنے سے منع نہیں کیا۔ ہمیں دیگر چیزوں سے منع نہیں کیا تھا۔ ہمیں اس نے سیاست میں غلام بنایا تھا۔ اس نے ہمیں معیشت میں غلام بنایا تھا۔ اُس نے ہمیں عدالت میں غلام بنایا تھا۔ اس نے ہم پر تہذیب و ثقافت مسلط کی تھی۔ اس نے ہم پر فکری حملہ کیا تھا۔ ان اکابرین کی یہ کتاب پڑھ کر پوری تاریخ کا تسلسل سامنے رکھ کر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور پھر آگے اوپر حضرت نبی کریمؐ تک جب آپ اس چیز کو سمجھیں گے تو یقیناً ہم اپنے آپ کو آج کے دور کی گمراہیوں سے بچا سکتے ہیں۔ آج کے دور کے فتنوں سے بچا سکتے ہیں۔

سب سے اہم کام آج یہی تھا، جس پر اپنے اکابرین کے حوالے سے علمائے ربانی کی تحریکات کا صحیح تعارف کرایا جاتا۔ ان کے دین کے جامع تصور کا صحیح تعارف کرایا جاتا۔ اُن کے تاریخی تسلسل کو نبی اکرمؐ تک بیان کیا جاتا۔ چاروں سلسلوں کے جو اکابرین، بڑے بڑے علمائے ربانیین گزرے ہیں، ان سب کا سلسلۂ نسب اوپر تک بیان کرنا، یقیناً یہ آج کے دور کا سب سے بڑا تقاضا ہوتا ہے۔ جس پر حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بڑی محنت کے ساتھ، جدوجہد کے ساتھ، اس کتاب کو تحریر کیا ہے۔ ہم اس پر ان کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں اور خراجِ تحسین بھی پیش کرتے ہیں۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب آج ہمارے ہر نوجوان کو اور ہمارے ہر فرد کو پڑھنی چاہیے، تاکہ ہم ہر قسم کی گمراہیوں سے بچتے ہوئے اپنے اکابرین کے مشن کا صحیح تعارف حاصل کر سکیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہم سب کو ان علمائے ربانی کی اتباع میں قبول فرمائے۔

و آخر دعوانا أن الحمد للّٰه ربّ العالمين.

ان کے خطاب کے بعد ناظمِ اجلاس نے کہا:

''آج سے ٹھیک اٹھانوے سال قبل حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کی وفات کے موقع پر استاذ الحدیث دارالعلوم دیوبند مولانا عبدالسمیع نے منظوم مرثیہ تحریر فرمایا۔ اسی کے چند شعر پیشِ خدمت ہیں ؎

تمھیں کچھ خبر بھی ہے اے دوستو! | کہ ہے آج کیوں شورِ محشر بپا
چراغ ھُدیٰ شاہ عبدالرحیم | طریقِ شریعت کے تھے رہنما
وہ چرخِ طریقت کے بدرِ منیر | وہ مہرِ حقیقت کے نور و ضیا
وہ مصرِ سیاست کے یوسف جمیل | وہ ملکِ ولایت کے فرماں روا
سپاہِ تواضع کے افسر جلیل | جو تھے نیک خُو، نیک رُو پارسا

اب میں گزارش کروں گا جناب پروفیسر امجد علی شاکر صاحب سے کہ وہ آج کی کتاب کے حوالے سے کچھ ارشاد فرمائیں۔''

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ؛ حضرت حاجی امداد اللہؒ، حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے جامع تھے

(خطاب جناب پروفیسر امجد علی شاکر)

بسم اللّٰہ. الصّلوٰۃ و السّلام علیٰ رسول اللّٰہ.

جناب حضرت مفتی صاحب! دیگر مہمانانِ گرامی!

آج کی یہ تقریب حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کی حیات پر لکھی ہوئی مفتی صاحب کی کتاب کے حوالے سے منعقد ہو رہی ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ آج سے تقریباً سو سال پہلے اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔ آج اُن کا ذکر کیوں ضروری ہے؟ اس کی کیا اہمیت ہے؟ تو میں ایک چھوٹی سی بات عرض کروں گا کہ ماضی مرا نہیں کرتا، ہمارے حال میں زندہ رہتا ہے۔ اور اس بات کو ایک ادیب اور صوفی دونوں ہی اچھی طرح سمجھتے ہیں، بلکہ صوفی' ادیب سے زیادہ خوب صورتی سے سمجھتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ کا دور آپ دیکھیں کہ 1857ء سے دس سال بعد دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ اور پچاس سال کی دعا مانگتے ہیں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کہ جو دارالعلوم کے بانی ہیں کہ یا اللہ! اسے پچاس سال تک قائم رکھ۔ اور اس پچاس سال کے عرصے میں دو بڑی شخصیات سامنے آتی ہیں: حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ۔ اور اس سے آگے ایک سو سال کے عرصے میں ہم اس دنیا میں آئے ہیں اور زندگی کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ سارا سو سال ان پچاس سال میں کام کرنے والی ہستیوں کے کام کا ہی ثمر ہے، جو آگے بڑھ رہا ہے اور ہمارے آج تک آ پہنچا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں تین روایتیں تھیں برصغیر میں تعلیم کی۔ خیرآباد (منطقی مدرسۂ فکر) کی، فرنگی محل (فقہی مدرسۂ فکر) کی اور دہلوی مدرسہ حضرت شاہ ولی اللہ کے خانوادے کا، تو ان تینوں روایتوں کو دارالعلوم میں جمع کر دیا گیا۔ اسی طرح تین روایتیں شریعت، طریقت اور سیاست کی موجود تھیں برصغیر میں مسلمانوں میں، دارالعلوم میں تینوں روایتیں وہ بھی جمع ہو گئیں۔

ایک واقعہ ہے حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی کا، وہ میں عرض کروں گا، تا کہ تفہیم ہو سکے کہ دیوبند میں کیا چیز منفرد تھی۔

مولانا مناظر احسن گیلانی سلسلۂ خیرآباد میں پڑھ رہے ہیں۔ منطق و فلسفہ بہت پڑھا تھا۔ تو ذہنی اُلجھنوں کا شکار ہوگئے۔ تو اس کرب کی کیفیت میں اپنے ہی ایک خواجہ تاش مولانا معین الدین اجمیریؒ کے پاس گئے۔ یہ بیس ویں صدی کے بزرگ ہیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی کی گفتگو سنی تو مولانا معین الدین اجمیریؒ نے کہا کہ تمھارے درد کا درماں دیو بند میں ہے۔ تو وہاں انھوں نے ایک چیز نوٹ کی کہ حضرت شیخ الہندؒ کے ہاں شریعت و طریقت دونوں اِک مک ہوگئی۔ انھوں نے اَور بھی بہت سے بزرگ دیکھے تھے۔ ان کے ہاں علومِ شریعت بھی تھے اور علومِ طریقت بھی، مگر ان کے من میں اِک مک نہیں ہوئی۔ کوئی ایسی صورت نہیں بن رہی تھی کہ وہ دونوں اِک مک ہو جائیں اور جب وہ شیخ الہندؒ کے ہاں پہنچے تو انھوں نے اس درد کا علاج صرف ''**توجہ بالید**'' (ہاتھ کی توجہ) سے کر دیا۔ دلائل سے نہیں کیا۔ ایک جملہ کہا اور توجہ بالید کی۔ جملہ یہ کہا کہ: ''جو کچا پکا کھاؤ گے، وہ نگلو گے تو سہی۔'' اور اس کے ساتھ ''**توجہ بالید**'' تصوف کی اصطلاح ہے، اس کے ذریعے ان کا علاج کر دیا۔

اس کتاب میں ایک جملہ لکھا ہے حضرت مفتی صاحب نے کہ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تینوں حضرات کے اثرات کے جامع تھے۔ ایک بڑی جامع بات لکھی ہے۔ اور یہ پوری کتاب اس ایک جملے کی تشریح اور تعبیر ہے۔ اور یہ جملہ کوئی آسان جملہ نہیں ہے۔ اس کی گہرائی میں آپ جائیں گے تو آپ کو بہت ساری تفصیلات ملیں گی، تب جا کر آپ اس کی حقیقت کو پہنچ سکیں گے۔ یہ جملہ اس کتاب کا ایک جامع جملہ ہے۔ پوری کتاب اس کی تشریح اور تعبیر ہے۔

ایک واقعہ ہے اس کا حوالہ اشارتاً ملتا ہے اس کتاب میں، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ رائے پور جا رہے تھے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے پاس، جو حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے خلیفہ ہیں۔ تو راستے میں سہارن پور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے پاس گئے اور صرف مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ ایک سوال ہے، واپسی پر جواب لوں گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ تصوف کیا بلا ہے؟ تو حضرت شیخ الحدیث نے کہا کہ جواب ابھی لیتے جاؤ۔ کہا نہیں، واپسی پر۔ یہ تفصیلی باتیں کرنے لگے۔ کہا نہیں مختصر بات ہے، تفصیلی بات نہیں ہے۔ اچھا بتائیں! انھوں نے فرمایا کہ یہ (تصوف، حدیثِ نبویؐ) ''**إنّما الأعمال بالنّيّات**'' (2) (اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔) سے شروع ہوتا ہے اور (حدیثِ نبویؐ) ''**أن تعبد اللّٰه كأنّك تراهُ، فإن لم تكن تراهُ فإنّه يراك.**'' (3) (اللہ کی عبادت ایسے کر کہ گویا کہ تُو اُسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ کیفیت نہ ہو تو یہ سمجھ کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔) پر ختم ہوتا ہے۔ ''**إنّما الأعمال بالنّيّات**'' سے شروع ہو کر تصوف اس کیفیتِ احسان پر مکمل ہوتا ہے۔ اس کتاب میں یہ حوالہ بھی ایک مرکزی حوالہ ہے۔

دیو بند میں تین روایتیں میں نے عرض کیا تھا کہ فکر و فلسفہ کی روایت بھی تھی۔ فقہ کی روایت بھی تھی اور قرآن و حدیث کی روایت بھی تھی۔ اسی طرح سیاست بھی تھی، طریقت بھی تھی، شریعت بھی تھی۔ حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے ہاں یہ تینوں روایتیں آپ کو ملتی ہیں۔ اس دفعہ کے ماہنامہ ''رحیمیہ'' لاہور میں ایک واقعہ لکھا ہوا تھا۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے حوالے سے کہ کسی نے کہا جی کہ سیاست پر بہت باتیں ہوتی ہیں، تو اس طرح وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ وہ فرمانے لگے کہ: ''بھئی! سیاست پر بات شروع ہو تو خود میرا اپنا سر کھجانے لگتا کہ یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔'' تو حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے ہاں

آپ دیکھتے ہیں کہ یہ بزرگ سیاست سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھتے۔ یہ ایک بڑا عمل ہے۔ اس سوال پر میں نے اپنے ایک مضمون میں بحث اٹھائی تھی اور میں اس پر کچھ لکھنا بھی چاہتا ہوں، تو میں خلاصہ عرض کر دیتا ہوں، بڑی اہم بات ہے کہ آپ توحید پرستی کو جب تک انسان دوستی سے جوڑتے نہیں ہیں، وہ توحید پرستی نہیں رہتی۔ بلکہ انسان دوستی سے اگر توحید پرستی نہیں جڑتی تو وہ فرقہ پرستی بن جاتی ہے۔ توحید پرستی، آپ توحید کے بہت بڑے بڑے پرچارک دیکھیں گے، پوری کائنات کا مالک ایک ہستی کو مان رہے ہیں، اللہ کو مان رہے ہیں تو پوری کائنات کا خالق ہے اور اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے دوسرے انسان سے محبت نہیں کر رہے۔ وہ توحید کیسی ہوئی؟ ذہن اُن کا محدود ہے۔ زمان و مکان کی جکڑ بندی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اپنے تعصّبات سے نہیں نکل رہے۔ توحید اور تعصب اکٹھے کیسے ہو جائیں گے؟ یہ بہت بڑا سوالیہ ہے۔

تو یہ سوالیہ اس کا جواب مجھے یہ سمجھ آیا ہے کہ توحید جب انسان دوستی سے جڑتی نہیں ہے، وہ حضرت سندھیؒ نے فرمایا ہے نا ''دین کا خلاصہ؛ خدا پرستی اور انسان دوستی''، تو توحید پرستی جب انسان دوستی سے جڑتی نہیں ہے، وہ فرقہ پرستی بن جاتی ہے۔ تو یہ بزرگ چوں کہ سیاست سے تعلق رکھتے تھے، انسانوں سے دوستی رکھتے تھے، انسانوں سے اپنے آپ کو جوڑے ہوئے رکھتے تھے، تو ان کی توحید پرستی فرقہ پرستی نہیں بنی۔ ان کا تصوف رہبانیت نہیں بنا۔ ان کا شریعت سے تعلق فرقہ نہیں بنا، بلکہ انسان دوستی بنا۔ اس کی وَجہ سیاست سے ان کا تعلق ہے۔ اور ان کی سیاست گروہی سیاست نہیں تھی، انسان دوستی کی سیاست تھی۔ انھوں نے انسانی مسائل کو نظر انداز نہیں کیا۔

ایک ہے لیبلائزیشن، یہ ہمارے ہاں بہت چلی ہے۔ جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں اسلامائی ہوئی چیزیں۔ اس پر بڑے لطیفے ہوئے۔ میں ضیاء الحق کے دور میں سروس میں آیا۔ اور لطیفے دیکھتا رہا۔ اب ہمارا ایجوکیشن سسٹم اسلامائز اتنا ہوگیا ہے، اتنا اسلامائز ہوگیا ہے کہ کوئی شریف آدمی، جس کے پاس چار پیسے ہوں، وہ اپنے بچے کو اس سسٹم میں پڑھاتا ہی نہیں۔ بھئی! یہ کیا اسلامائزیشن ہوئی؟ یہ ہے پیج ورک (Page Work)۔ اور پیج ورک اس لیے ہے کہ آپ اصل مسئلے کو سمجھتے ہی نہیں۔ جب تک آپ بنیادی سیاسی نظم کو نہیں سمجھیں گے، سیاسی مسئلے کو نہیں سمجھیں گے کہ یہ کالونیلائزیشن کا جو سٹرکچر بنا ہے، یہ کیا ہے؟ اور اس کو پھر ڈی کالونیلائز نہیں کریں گے تو آپ مسائل کا حل نہیں کرسکیں گے۔ ہوا یہ ہے کہ آپ اینگلو سیکسن قوانین کو اسلامائز کر رہے ہیں۔ اور یہ کوئی وکیل ہی بتا سکے گا کہ کیا حال اور حشر ہوا ہے ان قوانین کا؟ یہ ایک وکیل بہتر بتا سکتا ہے۔ میں اس پر بات نہیں کروں گا۔ لیکن جو ایجوکیشن کا حشر کیا ہے اسلامائزیشن کے اس عمل نے، اس کے بارے میں مَیں یہی کہہ سکتا ہوں، جو کسی چیز کے گم ہونے پر کہا جاتا ہے: إنّا للّٰه و إنّا إليه راجعون.

حضراتِ گرامی! میں پڑھ رہا تھا۔ حضرت مفتی صاحب نے ترجمہ کیا ہے (حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی کتاب) ''**التّمهيد لتعريف أئمّه التّجديد**'' کا، تو میں حیران ہو رہا تھا کہ اس میں حضرت سندھیؒ نے شجرات بیان کیے ہیں۔ نام ہیں، فلاں بزرگ فلاں کے شاگرد، فلاں فلاں کے شاگرد، تو حضرت سندھیؒ تو مفکر تھے، فلسفی تھے، یہ کیا انھوں نے لسٹیں بنا دیں۔ لیکن یہ سوال تب پیدا ہوتے ہیں، جب علم کم ہو۔ میں اس پر غور کرتا رہا۔ پہلے میں نے وہ اپنی تھوڑی بہت تاریخ جو جانتا تھا، اس کی مدد سے ''**التّمهيد**'' پڑھنے کی کوشش کی تھی۔ تو بڑی حیرت ہو رہی تھی کہ فلاں فلاں کا شاگرد۔ بعد میں جب پڑھتے پڑھتے بالآخر میں

www.rahimia.org

ایک چھوٹا سا نتیجہ میں نے اخذ کرلیا اپنی عقل، سمجھ سے تو نہیں شاید، بلکہ اللہ کی مہربانی سے اور ممکن ہے وہ صحیح نتیجہ ہو۔ اس کو میں شیئر کرلیتا ہوں آپ سے۔ کہ حضرت سندھیؒ نے سلاسل تصوف کو اور سلاسل علمیہ کو اِک مک کر دیا اس میں۔ اور حضرت مفتی صاحب نے اس کا بھی ترجمہ کیا ہے اور اس کے ساتھ ہی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی سوانح جو رقم کی ہے، اس میں بھی آپ کو حضرت شاہ عبدالرحیم کے سلسلۂ تصوف بھی ملے گا، سلسلۂ علمی بھی ملے گا، سلسلۂ فکر بھی ملے گا، ان کی سیاست، ان کا تصوف، ان کا علوم کو پھیلانا، ان کا شریعت پر کاربند رہنا، ان سب کو اک مک جو کیا ہے، اور جو جامعیت انھوں نے دی ہے، یہ صحیح معنی میں ایک فعال ذہن تیار کرتی ہے اور فکر کی بنیاد بن سکتی ہے۔ اور اعلیٰ فکر کی بنیاد بننے والی اس کتاب کو میں تہہ دل سے خوش آمدید کہتا ہوں اور حضرت مفتی صاحب کے کام کو ایک کارنامہ سمجھتا ہوں۔ و آخر دعونا أن **الحمد للّٰہ ربّ العالمین!**

اس کے بعد ناظمِ اجلاس نے کہا:

''جیسا کہ تمام موضوعات میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے تعلق کے حوالے سے بات ہوئی، تو اس کتاب سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کس انداز سے شیخ الہندؒ نے اپنے جذبات کا اظہار شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے لیے کیا۔ مثلاً انھیں کے حوالے سے وہ فرماتے ہیں ؎

رہنمائے مسالکِ ایمان رہ گزائے منازلِ ایقان
رہ نوردِ مراحلِ احسان ساقیٔ بزمِ وحدت و عرفان
چشمۂ فضل و معدنِ احسان کاشفِ رمزِ علم القرآن

حضرت رائے پوریؒ کے اصرار پر ہی حضرت شیخ الہندؒ نے ترجمہ قرآن حکیم شروع فرمایا۔ حضرت عالی نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن کے دس پاروں پر نظر ثانی بھی فرمائی۔ حضرت رائے پوریؒ کی وفات کے موقع پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ان دنوں مالٹا میں مقید تھے اور انھوں نے ایک مرثیہ لکھا، جو کہ ''مسدس'' کی صورت میں ڈھلا۔ اس میں حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں ؎

بارِ احباب کون اٹھائے گا آنکھوں پر کون انھیں بٹھائے گا
ہاتھ کون ان کا اب بٹائے گا فتنوں کو کون اب ہٹائے گا
زینت و زیب الفِ ثانی مُرد شاہ عبدالرحیم ثانی مُرد

اب میں گزارش کرتا ہوں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف صاحب سے کہ وہ تشریف لائیں اور کتاب کے حوالے سے گفتگو فرمائیں۔''

حضرت عالی رائے پوریؒ نے تمام ہندوستان میں آزادی کی تحریک پیدا کی

(خطاب پروفیسر ڈاکٹر محمود الحسن عارف)

نحمدہٗ و نصلی و نسلّم علیٰ رسولہٖ الکریم. أمّا بعد فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم. اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (4)

آمنت باللّٰہ صدق اللّٰہ مولانا العظیم. و بلغنا رسولہ النّبیّ الکریم.

سٹیج پر بیٹھے تمام معزز ومحترم علمائے کرام! خاص طور مفتی عبدالخالق صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور میرے سامنے بیٹھے ہوئے علما، طلبا اور معزز ومحترم سامعین کرام! السّلام علیکم و رحمۃ اللّٰہ و برکاتہٗ!

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات پر لکھنا سوانح حیات کے مسئلے کی ایک گم شدہ کڑی کی صورت میں موجود تھا۔ اس سوانح حیات پر مفتی عبدالخالق آزاد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے کام کیا اور یہ کام مرتب صورت میں سامنے آیا۔ میں سب سے پہلے تو انھیں اس کاوش پر اور اس محنت پر اور اس خدمت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کی جزائے خیر عطا فرمائے۔

دارالعلوم دیوبند کی جب بات شروع ہوتی ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے زمانے سے فکر کے دھارے مسلسل روایت کی صورت میں کچھ بزرگوں تک پہنچے۔ اور انھوں نے اُسے دارالعلوم دیوبند کی شکل عطا فرمائی۔ جن میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی شامل ہیں۔ حضرت رائے پوریؒ کی ذات ہمارے لیے بڑی عقیدت و احترام کی جگہ ہے۔ انگریز کا یہ دور تھا اور انگریز نے جو ہم پر فکری زیادتیاں کیں، وہ تاریخ کا بھی حصہ بن چکی ہیں، لیکن ہمارے نوجوانوں کو ان کا علم ہونا چاہیے۔ انگریز نے آ کر صرف کوئی ایک دو مسئلوں کو خراب نہیں کیا، بلکہ اُس نے ہماری پوری تاریخ کو بگاڑنے کی کوشش کی۔ اور ہندوستان میں ایسے لوگ پیدا کیے کہ جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ کو بگاڑ کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ایسی کوئی ایک دو مثالیں نہیں، بلکہ بہت سی مثالیں ہمارے ہندوستان میں موجود ہیں۔

انگریز کا زمانہ بڑے جبر و تشدد کا زمانہ تھا۔ اس نے زندگی کے عشروں کو متأثر کیا۔ تو اس کے خلاف دارالعلوم دیوبند نے جو تحریک شروع کی، وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اور حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے زمانے میں بڑی واضح ہو جاتی ہے۔ شیخ الہندؒ نے جو ''تحریکِ ریشمی رومال'' کے نام سے معروف ہے، جو تحریک یہ شروع کی، وہ اگر پکڑی نہ جاتی تو آج ہندوستان کی تاریخ بہت مختلف ہوتی۔ ہندوستان بہت پہلے سے آزاد ہو چکا ہوتا اور اس پر انگریز کی غلامی کا ٹھپہ نہ لگتا۔

حضرت شاہ عبدالرحیم اور مولانا شیخ الہندؒ دونوں بزرگ، ان کی آپس میں بڑی دوستی تھی اور دونوں کا ایک جگہ اٹھنا بیٹھنا تھا۔ 1919ء میں جب حضرت شاہ عبدالرحیمؒ اللہ کو پیارے ہوتے ہیں تو اس وقت حضرت شیخ الہندؒ نے ایک مرثیہ لکھا، اس مرثیے سے دونوں بزرگوں کے تعلقات کا ہمیں اندازہ ہوتا ہے۔ تو بہر حال یہ دور بڑا پُرفتن دور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں کو توفیق عطا فرمائی کہ انھوں نے اس کا ایک تو دور رس حل نکالا، اور ایک وقتی اور قریبی حل نکالا۔ قریبی حل یہ تھا کہ قرآن و سنت کی تعلیم و تدریس انھوں نے شروع کی۔ اور دور رس جو اثر تھا اس تحریک کا، وہ یہ تھا کہ انھوں نے آزادی کی چنگاری ہندوستان میں پیدا کی۔ اور اسی آزادی کی چنگاری سے بالآخر پورا ہندوستان منور ہوا۔ اور اس نے انگریز کو نکالنے کی تحریک شروع کی۔ جو بالآخر 1947ء میں جا کر مکمل ہوئی اور دو آزاد مملکتیں ہندوستان اور پاکستان دنیا کے نقشے پر معرضِ وجود میں آئیں۔

یہ تاریخ بڑی دیر پا ہے اور اس کے اثرات بڑے دور رس ہیں۔ اب یہ حضرات بڑی دور رس تبدیلیوں کے اور دور رس نتائج کی حامل تحریکات شروع کرتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ انگریز کو آسانی سے نہیں نکالا جا سکتا۔ انگریز کو بڑی محنت سے نکالا جائے

www.rahimia.org

گا۔ چناں چہ ان حضرات نے جو کاوشیں کیں، اور جو میں نے عرض کیا کہ جو فکر کا دعویٰ ان حضرات تک پہنچا تھا، اس فکر کے دعوے کے تحت انھوں نے ایسی روایات ہندوستان کے اندر چھوڑیں کہ جن پر عمل کر کے دنیا بالآخر انگریز کے تسلط سے آزاد ہوئی۔ اور مسلمانانِ برصغیر پاک و ہند اس کے اثرات سے نکلے۔

حضرت شیخ الہندؒ کو حضرت شاہ عبدالرحیمؒ سے جو تعلق تھا، اس کا اس مرثیے میں یہ خوبی اظہار ہوتا ہے، جو اُن کی وفات پر حضرت شیخ الہندؒ نے ارشاد فرمایا۔ اور ان تعلقات کا اس سے یہ خوبی اظہار ہوتا ہے کہ جو تعلقات ان دونوں کے درمیان تھے اور بالآخر علمائے دیوبند اسی رستے پر چل کر ہندوستان کی آزادی کا باعث بنے۔

کانگریس میں جیسا کہ آپ کو علم ہے کہ اس کے اندر بنیادی کردار علمائے دیوبند کا تھا اور وہ یہ تھا کہ ہندوستان کو کسی طرح سے انگریز سے آزاد کروایا جائے۔ یہاں پر ہمیں دو تحریکیں ملتی ہیں: ایک تو پُر تشدد تحریک کے ساتھ ہندوستان کو آزاد کرانے کی تحریک ہے۔ یہ سیّد احمد شہیدؒ سے آگے چلی اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تحریک کامیاب رہی۔ اور دوسری تحریک تھی، جو حضرت شیخ الہندؒ نے عدمِ تشدد کے اصول پر شروع کی اور اس کے نتیجے میں بالآخر انگریز کو یہاں سے بوریا بستر گول کرنا پڑا۔ اور ہندوستان اس کی برکت سے آزاد ہوا۔ علمائے دیوبند کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی کوششوں سے، اُن کی کاوشوں اور اُن کی محنتوں سے ہندوستان آزاد ہوا۔

اس کے علاوہ علمائے دیوبند نے ایسی تحریرات چھوڑیں اور ایسی فکری تحریکیں پیدا کیں کہ جن کے نتیجے میں انگریز کو بالآخر یہاں سے بھاگنا پڑا۔ اور ہندوستان پاکستان دو ملک بنے اور دونوں مملکتیں آزاد ہوئیں۔ یہاں کے باشندوں کو آزادی ملی۔ اس میں علمائے دیوبند نے بڑا مؤثر کردار ادا کیا ہے۔ ہمیں بہت سے بزرگ ملتے ہیں کہ جنھوں نے اس کام کے اندر اپنی زندگیاں فنا کر دیں۔ چناں چہ ہمیں حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ جیسے لوگ بھی ملتے ہیں کہ جنھوں نے اپنی زندگی کو اسی راستے میں قربان کر دیا اور ساری زندگی افغانستان، روس، ترکی، سعودی عرب اور دوسرے ملکوں میں ساری زندگی اپنی قربان کر دی۔ اس طرح سے آزادی ہمیں کوئی گفٹ کی صورت میں نہیں ملی۔ اس کے لیے ہمارے بزرگوں نے بڑی محنتیں کی ہیں۔ بڑی کاوشیں کی ہیں۔ اور پھر جا کر ہمیں یہ آزادی ملی ہے۔ اس آزادی کی قدر و قیمت جانیے۔ اور اپنی آزادی کی حفاظت اسی طرح سے کی جا سکتی ہے کہ جب مل کر بیٹھیں، آپس میں جڑ کر بیٹھیں اور انتشار پیدا نہ کریں۔ انتشار سے جو آزادی کی نعمت ملی ہے، اس کی قدر و قیمت جاتی رہتی ہے۔ اور اس کا احساس نہیں رہتا۔ آج اس زمانے میں یہ ہمیں بہت بڑی نعمت ملی اور دیوبند کے علما کے طفیل ملی۔ اور اُن بزرگوں نے محنتیں کیں۔ انھوں نے جدوجہد کی۔ میں اسی گفتگو پر اپنی بات کو ختم کرتا ہوں۔ اور مولانا عبدالخالق آزاد صاحب کو ایک دفعہ پھر مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ انھوں نے یہ جو تاریخ کا گم شدہ باب تھا، شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ پر سوانح حیات موجود نہیں تھی، انھوں نے اس گم شدہ باب کو مکمل کیا اور اس کو تحریری شکل میں لائے اور یہ علما کے لیے اور دوسرے طالبِ علموں کے لیے یہ بڑی کاوش ہے، بڑی محنت ہے۔ اپنی محنت کے ساتھ جنھوں نے اسے مکمل کیا۔ اللہ رب العزت ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد ناظمِ اجلاس نے کہا:

''بہت شکریہ۔ اس کتاب کے حوالے سے ایک خصوصیت، جس کی طرف بار بار اشارہ کیا جا رہا ہے، وہ تمام کلام ہے، جو شاعری کی شکل میں، جو حضرت والا کی وفات پر اور اس کے بعد اُن کے کردار کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے۔ اور ایسی اعلیٰ درجے کی شاعری تو یہ ذاتِ خود اس کتاب کا ایک اہم وصف اور ایک پہلو ہے ۔

وابستہ جن کی ذات سے سب حق پرست تھے — جن سے کہ قبض و بسط کے سب بندو بست تھے
جن کے سبب سے نشۂ طاعت میں مست تھے — مخمور سُکرِ بادۂ ''جامِ الست'' تھے

اب میں گزارش کروں گا جناب مولانا مختارحسن صاحب سے کہ وہ آج کی اس تقریبِ رونمائی کی مناسبت سے اپنی گفتگو سے فیض یاب فرمائیں۔''

آنے والا دور خانقاہِ رائے پور کا دور ہے

(خطاب مولانا مفتی محمد مختارحسن)

الحمد للّٰہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ. أمّا بعد فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم. اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝ (5) **آمین! صدق اللّٰہ العظیم.**

جناب حضرت اقدس حضرت شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ العالی۔ صدرِ مجلس اور میرے عزیز دوستو!

سوانح حیات کے حوالے سے میں دو یا تین باتوں کی طرف اشارہ کروں گا۔ پہلی بات تو یہ کہ بہ قول ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، جن کا اس ولی اللّٰہی تحریک پر بہت بڑا کام موجود ہے، اور انھوں نے اس کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہے۔ پچھلے دنوں انھوں نے حضرت سے ملاقات کے دوران ارشاد فرمایا کہ:

''یہ ولی اللّٰہی جماعت پر قرض تھا۔ اور الحمدللہ آپ نے اس قرض کو بہت احسن انداز سے ادا کیا۔''

میں حضرت اقدس کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں کہ پوری ولی اللّٰہی جماعت پر جو قرض واجب تھا، ان سب کی طرف سے حضرت نے ''سوانح حیات قطبِ عالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' لکھ کر اس قرض کو ادا کیا ہے۔ دوسری بات جو ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری کے حوالے سے ہی ہے، حضرت نے ان سے گزارش کر رکھی تھی کہ آپ ولی اللّٰہی جماعت، رائے پور، دیوبند، شیخ الہند، اس پر جو تحریر کرتے ہیں، اس میں شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور خانقاہِ رائے پور بھی آپ کی تحریر آنی چاہیے۔ انھوں نے ان الفاظ کے ساتھ اس ذمہ داری کو حضرت کے سپرد کیا، واپس کیا کہ:

''اس کتاب کے آنے کے بعد، اس کے پڑھنے کے بعد میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ میں اس پر کوئی اضافہ کرسکوں۔ میں نے اس کتاب کو غور سے پڑھا اور میں نے بے شمار چیزیں اپنے لیے محفوظ کیں اور بہت ساری باتیں ایسی تھیں جو میرے لیے بالکل نئی تھیں، اور میرے علم میں اضافہ ہوا الحمدللہ۔''

www.rahimia.org

امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی یہ بات اُن کے شاگردوں سے منقول ہے کہ:

''ولی اللّٰہی تحریکِ آزادی کے حوالے سے جو حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا کردار بنتا ہے، میرا یہ دل چاہتا ہے کہ میں اس پر مضامین اور کتابیں تحریر کروں کہ ولی اللّٰہی آزادی کی تحریک میں اُن کا کتنا اونچا اور بڑا مقام تھا، لیکن حضرت نے ہمیں منع کر رکھا ہے کہ میری شخصیت کے حوالے سے کوئی چیز تحریر نہ کرنا۔ اس لیے میں مجبور ہوں، لیکن آئندہ ولی اللّٰہی جماعت کی آزادی میں رائے پور کا جو کردار ہے، وہ بہت روشن اور واضح ہو کر سامنے آ جائے گا۔''

میرا خیال ہے کہ حضرت کو میں مبارک باد پیش کروں گا کہ حضرت سندھیؒ نے جو اشارہ فرمایا تھا کہ آئندہ رائے پور کا کردار روشن اور واضح ہو کر سامنے آئے گا، اس کتاب کے منظر عام پر آنے سے وہ بہت ہی اچھے انداز میں واضح ہوا ہے الحمدللہ!۔

جہاں تک تعلق ہے حضرت قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اس وقت تین بڑے بزرگ ہیں، جو جامع ترین شخصیات ہیں: ایک قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوری، ایک حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا اور ایک حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری۔''

یہ تینوں تحریکِ ریشمی رومال کے اہم قائدین تھے، بنیادی قائدین تھے۔ انھوں نے ہی تحریکِ ریشمی رومال کو شروع کیا۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''جو دو بزرگ ہیں حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوری، اگر میں ان دونوں بزرگوں کی گود میں بھی بیٹھ جاؤں تو مجھے کوئی خدشہ نہیں ہوتا، میرے دل پر کوئی خطرہ نہیں گزرتا، لیکن حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی مجلس میں بھی جانے سے ڈر لگتا ہے۔ اس لیے کہ ان کا قلب اتنا صاف شفاف ہے کہ کہیں میرے عیوب اُن پر واضح نہ ہو جائیں۔''

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے جب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹاؒ کو دیکھا کہ وہ اپنے اہم علمی کاموں میں، سیاسی کاموں میں اور تصوف کے امور میں تو ہمیں پتہ ہی تھا، وہ تو ہمارے سامنے واضح تھا۔ لیکن جب اہم علمی کاموں میں اور خاص کر ترجمہ قرآن میں حضرت قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ سے مشورہ اور رہنمائی لیتے تھے تو ہمیں پتہ چلا کہ بڑے میاں کا علمی مقام کتنا اونچا ہے۔

یہی حضرت قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ہیں جنھوں نے حضرت شیخ الہندؒ کو ترجمہ قرآن کی طرف متوجہ فرمایا اور حضرتؒ نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ میں جو ترجمہ قرآن کروں گا، آپ وہ ترجمہ قرآن سنیں گے اور اس پر مجھے رہنمائی دیں گے۔ حضرت نے اس کو قبول کیا اور الحمدللہ! شیخ الہندؒ کا ترجمہ قرآن جو تفسیر عثمانی کی شکل میں چھپا ہوا ہے، وہ منظر عام پر آیا۔

تصوف میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ فرماتے ہیں کہ:

''ہمارے جو حضرات ہیں، وہ تصوف پر حاکم تھے۔ ان کی حیثیت جو ہے تصوف میں ایک مجدد کی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے حضرت قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ وہ بھی تصوف پر حاکم ہیں۔''

اس لیے انھوں نے تصوف کا جو خلاصہ بیان کیا، اس کو میرے محترم پروفیسر جناب امجد علی شاکر صاحب نے بہت خوب

www.rahimia.org

صورت انداز میں بیان کیا کہ تصوف کی جو ابتدا ہے، وہ تصحیح نیت ہے۔ اور تصوف کی جو انتہا ہے، وہ اعلیٰ درجے کی فقاہت اور شعور پیدا کرنا ہے۔ حضرت رائے پوریؒ نے فرمایا کہ:

''پتہ نہیں لوگ تصوف کس چیز کو سمجھتے ہیں، میرے نزدیک تو تصوف جو ہے وہ اعلیٰ درجے کی فقاہت اور شعور پیدا کرتا ہے۔''

جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں بیان کیا: ''**فقیہ واحد أشدّ علیٰ الشّیطان من ألف عابد.**'' (6) ایک دینی فقاہت رکھنے والا، سیاست کا اعلیٰ شعور اور بصیرت، وہ شیطان پر ایک ہزار عبادت گزاروں کے مقابلے پر بھاری ہے۔

یہ جو سوانح حیات ہے، یہ حضرت قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی ہے، یہ جو 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد کا دور ہے، حضرت رائے پوریؒ اس دور کی سب سے جامع اور بڑی شخصیت ہیں۔ قطبِ عالم حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے۔ اُن سے بیعت ہوئے۔ انھوں نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ان کو قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس بھیجا۔ حضرت گنگوہیؒ نے آپؒ کو بیعت کیا اور آپؒ کو اجازت سے نوازا۔ تو گویا اس پوری جماعت، حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، حضرت گنگوہیؒ، اس کی جانشینی کا شرف آپ کو حاصل ہے تو دوسری طرف یہ حضرت شاہ عبدالرحیم سہارن پوریؒ کے بھی خلیفہ ہیں۔ یہ سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک میں شریک ''سیدو بابا'' حضرت اخوند عبدالغفور سواتیؒ کے خلیفہ اور جانشین تھے۔ تو گویا خیبر پختونخواہ میں جو بڑا سلسلہ ہے، قادریہ سلسلہ، اس کو جوڑنے والے قطبِ عالم حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ہیں۔

آپؒ تحریکِ ریشمی رومال کے سرپرست ہیں اور تحریکِ ریشمی رومال وہ تحریک ہے کہ جس کی ناکامی کے بعد انگریز نے رولٹ ایکٹ نافذ کیا۔ اس کے خلاف جلیاں والا باغ میں احتجاج ہوا۔ اور پھر اُس پر جنرل ڈائر نے گولیاں برسائیں۔ اور یہ وہ ٹرننگ پوائنٹ ہے کہ جس کے بعد آزادی کی تحریک تھمی نہیں ہے اور انگریز کو یہاں سے نکلنا پڑا۔ اس تحریک کے سرپرست قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ تھے اور اس تحریک کا مرکز خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور شریف ہے۔ حضرت کا ایک طرف سیاسی حوالے سے اتنا اونچا مقام ہے۔ دوسری طرف اس میں ایک باب ہے، جس میں حضرت خصوصی توجہ دے رہے ہیں مکاتبِ قرآنیہ پر۔ اس پر میں بڑا غور کرتا رہا کہ کہیں تو دارالعلوم دیوبند کے سرپرست ہیں، مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور کے سرپرست ہیں، نظارۃ المعارف دہلی کے سرپرست ہیں، تحریکِ ریشمی رومال کے سرپرست ہیں، مولانا الیاس دہلویؒ وہاں سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں، ساری تحریکات ان سے منسلک ہیں اور بڑے میاں متوجہ ہیں مکاتبِ قرآنیہ کی طرف اور جہاں پر ایک ایک وقت میں وہاں رہنمائی دیتے ہیں۔ تربیتی ورکشاپ کر رہے ہیں۔ ان اساتذہ کو بلاتے ہیں اور بچوں سے پیار کرتے ہیں، کیا وجہ ہے؟

میرے محترم دوستو! ولی اللّٰہی جماعت کو خصوصاً اس بات کو سمجھنا چاہیے کہ حضرت قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ مونٹیسوری تعلیم پر، جس کو مکاتبِ قرآنیہ کہتے ہیں، جب یورپ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا اور مونٹیسوری کی تعلیم تو یورپ نے اپنے نقطہ نظر سے رائج کی، ہمارے نقطہ نظر سے، ہمارے بچوں کی تربیت کن بنیادوں پر ہونی چاہیے؟ اس کی وضاحت حضرت خود فرماتے ہیں کہ:

www.rahimia.org

''اگر ایک بچہ ہمارے پاس چھ مہینے تک رہے۔ بھلے وہ حافظ نہ بنے، اور وہ چلا جائے، لیکن اگر ضروریاتِ دین اس نے سیکھ لیں اور اس کا مزاج ایک بن گیا دین پر، تو ہم کامیاب ہیں۔ کوئی پرواہ نہیں کہ وہ مدرسے میں نہ آئے۔ لیکن وہ جو یہاں پر حافظ عالم بنا اور دینی مزاج اُس نے قبول نہیں کیا تو ہمارے لیے بہت بڑا مسئلہ ہے۔''

گویا اَخلاقی بنیادوں پر ایک پہلی تعلیم ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ تعلیم کا آغاز قرآن سے ہونا چاہیے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے اس طریقۂ تعلیم کی بنیاد پر بچوں کو سب سے پہلے مکاتبِ قرآنیہ سے جوڑ کر مسجد کے دینی ماحول میں، اُن کے دینی مزاج کو قائم کرنے کے لیے اُن کو تربیت دینا، جس سے آج ہماری سوسائٹی نابلد ہے اور آج ہم اپنے بچوں کو دینی تعلیم سے محروم کیے ہوئے ہیں۔ اور آج کی تاریخ یہ ہے کہ ستر سے اسّی فی صد انسان بنیادی تعلیم و تربیت سے محروم ہیں۔ اس کا مزاج، وہ بچپن میں ڈھل جاتا ہے اور پھر اس کے بعد تبدیلی بہت مشکل ہوتی ہے۔ وہ پندرہ سے بیس فی صد تبدیلی قبول کرتا ہے۔ لیکن آج ہمارے بچے بچپن سے اُس مزاج کو نہیں قبول کر رہے۔ حضرت نے اس پر پورا باب باندھا ہے اور وہ تفصیلات تحریر کی ہیں۔

اسی طرح جو ہمارے مسلک کا مزاج بنتا ہے، وہ صراطِ مستقیم کیا ہے، جس کو امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''جادۂ قویمہ'' قرار دیتے ہیں۔ تاریخی تسلسل کے فکر کی بنیادیں کہاں سے بنیں؟ اور کیسے تشکیل پائی ہیں؟ اُس کا مزاج کیا تھا؟ انسان جو ہے وہ ماحول سے بنتا ہے۔ اس لیے ہمارے اکابرین کا پس منظر کیا ہے؟ ان کی تحریک کیا ہے؟ اُن کے اَخلاق کیا ہیں؟ اُن کا شعور کیا ہے؟ اور رسول اللہؐ سے کس سلسلے سے اَخذ کر رہے ہیں؟ یہ آخری باب ہے جو یقیناً پڑھنے کے قابل ہے۔

حضرت اقدس مدظلہٗ نے پوچھا کہ وہ کتاب آپ نے پڑھی؟ تو میں نے عرض کیا کہ حضرت! یہ کتاب پڑھنے والی نہیں ہے، اس کا تو ایک ایک حرف، ایک ایک جملہ سونے کے حروف سے لکھنے کا ہے۔ اور یہ تو وہ کتاب ہے، جس کو انسان اپنی زندگی کا حصہ بنا کر اس سے رہنمائی لیتا رہے۔ پڑھتا رہے۔ اور اپنی زندگی کی تشکیل کرے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

اس کے بعد ناظمِ اجلاس نے کہا: ''بہت شکریہ!

جس نے خدا کے نور کا جلوہ دکھا دیا — جس نے نقابِ عارضِ معنیٰ اٹھا دیا
جس نے جہاں سے کفر کا جھگڑا مٹا دیا — جس نے شرابِ زہد کا ساغر پلا دیا

کتاب کے صفحہ نمبر 212 پر درج ہے کہ حضرت رائے پوریؒ نے مولانا سر رحیم بخش کو ارشاد فرمایا:

''جس طرح صحبت کا اثر ہوتا ہے، اسی طرح تصنیف کا بھی اثر ہوتا ہے۔''

آج ہمارے سامنے بھی ایک تصنیف ہے، جس کے مصنف بھی ہمارے درمیان موجود ہیں۔ میں حضرت مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری سے گزارش کروں گا کہ وہ ہمیں اس کتاب اور وہ عظیم ہستی جن کے ذکرِ جلیل سے آج کی محفل منور ہے، ان کے حوالے سے کچھ ارشادات سے بہرہ ور فرمائیں۔''

www.rahimia.org

قومی سماج کی تشکیلِ نو اور اسوۂ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ

(خطاب حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری)

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم! أمّا بعد فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم. قال اللّٰہ تبارک و تعالی: يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿﴾ (7) و قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ''کانت بنو إسرائیل تسوسھم الأنبیاء، کلّما ھلک نبی خلفهٗ نبی آخر. ألا! لا نبیّ بعدی، سیکون خلفاء، فیکثرون.'' (8) و قال النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم: ''لاتزال طائفة من امّتی قائمین علیٰ الحق. لا یضرّھم من خالفھم.'' (9)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولهٗ النبی الکریم.

صاحبِ صدر اور معزز حاضرین!

سب سے پہلے تو میں اپنے معزز مہمانان، مقررین کرام اور آپ تمام احباب کا جو یہاں اس کتاب کی تقریبِ رونمائی میں شریک ہیں، شکریہ ادا کروں گا کہ وہ برعظیم پاک و ہند کی ایک عظیم شخصیت حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی نسبت سے یہاں جمع ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قومیں تبھی ترقی کرتی ہیں، جب اُن کے پیشِ نظر اپنے قومی سماج کی تشکیل کے بنیادی افکار و نظریات، اعمال و کردار اور سیرت کے جامع پہلو موجود ہوں۔ دنیا کی زندہ قومیں اپنے حریت پسند رہنماؤں کے حالات سے واقفیت بہم پہنچاتی ہیں۔ وہ افراد جنھوں نے اپنی دھرتی اور سماج کی آزادی اور حریت، افکار و نظریات کے فروغ، سوسائٹی کو ترقی دینے کے لیے کردار ادا کیا ہوتا ہے، وہ ان کے کارناموں کو سامنے رکھتی ہیں۔ ان کی سیرت و کردار سے رہنمائی لیتی ہیں۔ ان کے افکار و خیالات سے روشنی حاصل کرتی ہیں۔

برعظیم پاک و ہند کے حوالے سے حقیقت یہ ہے کہ ہم دوسو سال برطانوی سامراج کے غلام رہے ہیں۔ غلام قوم کا نہ اپنا نظریۂ فکر و عمل رہتا ہے، نہ اپنا کوئی کردار ہوتا ہے۔ غلاموں کے لیے اُن کے آقا طے کرتے ہیں کہ اُن کا نظامِ تعلیم کیا ہو؟ نظامِ سیاست کیا ہو؟ نظامِ معیشت کیا ہو؟ سماجی تعلقات کس نہج پر قائم ہوں؟ غلامی کے زمانے میں قوموں کے لیے سب سے اہم ترین بات اپنی آزادی کی حفاظت اور غلامی سے چھٹکارا حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ایسے زمانے میں جو فریڈم فائٹر (حریت پسند) پیدا ہوتے ہیں، آزادی کے لیے افکار و خیالات کی شمع روشن کرتے ہیں، غلام قوم میں یہ جذبہ بیدار کرتے ہیں کہ وہ اُٹھیں اور اپنی دھرتی کو اغیار کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں۔ تحریکات برپا کرتے ہیں۔ ان کی زندگیوں سے رہنمائی لینا ہر باشعور اور زندہ قوم کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے۔

اس برعظیم پاک و ہند میں جن لوگوں نے کردار ادا کیا ہے، وہ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر 1947ء تک بے شمار حریت پسندوں کی جدوجہد پر مشتمل تسلسل کی کڑیاں ایک ترتیب سے موجود ہیں۔ ان حریت پسند علمائے ربانیین میں، جنھوں نے آزادی کے لیے کردار ادا کیا، اس کتاب کے صاحبِ سوانح شخصیت کا بھی ایک اہم نام ہے۔ جنوری 1919ء میں

حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا وصال ہوا ہے۔ تقریباً سو سال ہونے والے ہیں، اس پورے سو سال میں کوئی جامع کتاب حضرت عالی رائے پوریؒ کے حالات پر نہیں تھی۔ ہر جگہ سے اس کا مطالبہ ہوتا تھا کہ حضرتؒ کے حالات، اُن کے افکار و تعلیمات کے حوالے سے کوئی کتاب مرتب ہونی چاہیے۔ حتیٰ کہ ہمیں اپنے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ اور دوسرے پیر و مرشد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ کے ساتھ ہندوستان رائے پور کا کئی دفعہ سفر کرنے کا موقع ملا۔ تو دارالعلوم دیوبند کے مہتمم، وہاں کے شیوخ الحدیث، مدرسہ مظاہرالعلوم سہارن پور اور مدرسہ شاہی مرادآباد کے اساتذہ، اور دیگر علمی حلقوں میں یہ مطالبہ موجود تھا کہ ''تحریکِ ریشمی رومال'' اور اس خطے کی آزادی اور حریت کے لیے کردار ادا کرنے والے تقریباً سبھی لوگوں پر کتابیں موجود ہیں۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ پر کوئی کتاب نہیں۔ یہ ایک مطالبہ تھا، تقاضا تھا۔

اسی بنیاد پر ہم نے یہ کام شروع کیا۔ اس کتاب کے لیے مواد اکٹھا کیا۔ نہ صرف دارالعلوم دیوبند کی لائبریری، مظاہرالعلوم سہارن پور کے کتب خانے، جامعہ ملیہ دہلی کے کتب خانے اور علی گڑھ یونیورسٹی میں مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری کی خاک چھاننا پڑی۔ وہاں سے مواد دستیاب کرنے کی کوشش کی۔ پھر اپنے تخصُّص فی الفقه الإسلامی میں اپنے مقالے کے لیے مواد اکٹھا کرنے کے سلسلے میں پاکستان کی بھی تقریباً تمام لائبریریوں میں جانا ہوا۔ پشاور سے لے کر کراچی تک کوئی لائبریری ایسی نہیں ہے، جس میں جانا نہ ہوا ہو۔ اسی دوران حضرت عالی رائے پوریؒ کے حوالے سے جو مواد موجود تھا، اُسے حاصل کرنے کے لیے کوششیں اور کاوشیں کی گئیں۔

یہ ایک طویل اور ایک لمبا سفر ہے۔ 1987ء سے حضرتؒ کی سوانح پر کام شروع کیا گیا۔ 600 صفحات کی کتاب اُس زمانے میں مرتب ہوگئی تھی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن 1998ء میں مکی دارالکتب لاہور سے شائع ہوا۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد اس کا یہ ایڈیشن بہت جلد ختم ہوگیا۔ اس کے بعد دوستوں کا مطالبہ رہا کہ اس کی دوبارہ اشاعت ہو۔ پھر اگلے ان پندرہ سولہ سالوں میں اس سے متعلق مزید مواد اکٹھا ہوتا رہا۔ اور اُسے آج سولہ سترہ سال بعد دوسرے ایڈیشن میں، جہاں اس کے صفحات بھی کوئی 800 کے قریب ہوگئے اور سائز بھی اس کا بڑھ گیا۔ وہ تمام مواد اکٹھا کر دیا گیا، جو قطبِ عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے حوالے سے دستیاب تھا۔

کتاب کی ضخامت بڑھ جانے کی وَجہ سے حضرتؒ کی سوانح سے متعلق ایک منظوم حصہ ابھی باقی ہے۔ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا جب وصال ہوا، تو بہت سے مشاہیر نے آپؒ کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے، جس میں اردو کا کلام اس کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ حضرت عالیؒ کی وفات پر بہت عمدہ فصیح عربی میں علما نے مرثیے لکھے ہیں۔ جن میں نمایاں نام حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیریؒ، مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند مفتی عزیزالرحمٰن عثمانیؒ، مولانا اعزاز علیؒ شیخ الادب دارالعلوم دیوبند کا ہے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، جو دارالعلوم دیوبند کے ساٹھ سال تک مہتمم رہے، اُن کا فارسی کلام ہے۔ تو فارسی اور عربی شاعری پر مبنی مرثیے ابھی اس کتاب کا حصہ نہیں ہیں۔ وہ اگر شامل کیے جائیں تو دو تین سو صفحات کا مزید اضافہ ہوتا ہے۔

اس کتاب سے بنیادی طور پر ہمیں جو فکر اور نظریہ معلوم ہوتا ہے، جو سیرت و کردار واضح ہوتی ہے، حریت پسندوں کی جدوجہد سے جو رہنمائی ملتی ہے، اُس سے آج ہم اپنے قومی سماج کی تعمیر و تشکیل میں پورے طور پر رہنمائی لے سکتے ہیں۔ سماج کی

www.rahimia.org

تشکیل تین بنیادی چیزوں پر ہوتی ہے کہ اس معاشرے میں فکر و فلسفے کی نوعیت کیا ہے؟ جب تک کسی سوسائٹی میں فکری وحدت پیدا نہ ہو، تو معاشرے کی طاقت اور قوت وجود میں نہیں آتی۔ جس قوم میں جتنے افراد بستے ہیں، اُن کا ایک فکر، ایک سکول آف تھاٹ پر اپنی اجتماعیت کی تشکیل کے حوالے سے اتفاق ضروری ہے۔ پھر اُس فکر کی اساس پر دوسری اہم ترین چیز اپنے سیاسی نظام کی تشکیل ہوتی ہے۔ حکومتی ڈھانچہ بنانا ہوتا ہے۔ اُن اداروں کا نظم و نسق قائم کرنا ہوتا ہے، جس کی اساس پر معاشرے میں بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب، امن و امان قائم ہو۔ جان مال عزت آبرو کا تحفظ ہو۔ سوسائٹی مجموعی طور پر ترقی کرے۔ داخلی مسائل اور خارجی مسائل سے نبرد آزما ہونے والی جرأت مند قیادت ملک اور قوم کی شناخت کو باوقار بنائے۔ اور تیسری چیز کسی بھی قوم کے لیے اہمیت کی حامل وہاں کا معاشی اور اقتصادی سسٹم ہوتا ہے کہ دستیاب وسائل کی پیداوار، دولت کی پیدائش کا عمل، اُس کی تقسیم، اُس کے تبادلے اور اُس کے استعمالات کا نظام۔ پیدائش دولت، تقسیم دولت، تبادلہ دولت اور صرفِ دولت کی اساس پر ایک مربوط اور مستحکم معاشی نظام معاشرے کی ترقی کا باعث بنتا ہے۔

ان تینوں چیزوں کے حوالے سے آپ کی سوچ، فکر اور ذہن کلیئر ہونا چاہیے۔ آپ اجتماعی تشکیل کا نظریہ کیا رکھتے ہیں؟ کیا فکر ہے؟ کیا یہ فکر فرقہ وارانہ ہے؟ یا سوسائٹی کے تمام انسانوں کی انسانی بنیادوں پر مسائل حل کرنے کی اجتماعیت سے عبارت ہے؟ دنیا میں یہ دو ہی طرح کے افکار ہوں گے۔ یا وہ افکار جو نسل پرستی، فرقہ پرستی یا مخصوص کسی مذہبی تصور کے تحت فرقہ واریت کی طرف لے جاتے ہیں کہ آپ ایک نسب، ایک فرقے، ایک گروہ کی جان، مال، عزت آبرو اور تحفظ کے لیے نظام بنانا چاہتے ہیں۔ یا اپنی جغرافیائی حدود میں بسنے والے تمام انسانوں کے لیے انسانی حقوق پر مشتمل سماجی شیرازہ بندی کرتے ہیں۔

www.rahimia.org

دنیا کی تاریخ نے دیکھا کہ اگر ایک طرف ہٹلر نسل پرستی کی بنیاد پر سماج کی تشکیل کی بات کرتا ہے تو کہیں دوسری جگہ پر یورپین نسل پرستی کی بنیاد پر سوسائٹی کی تشکیل کے تصورات ہیں۔ وہ جزائر برطانیہ کی نارمن نسلیں ہوں یا رشیا کی قدیم وہ نسلیں، جو رولنگ کلاس کے طور پر اُس سوسائٹی پر مسلط رہیں۔ اور انھیں کے بطن سے جو افکار پھوٹے، وہ یا تو سرمایہ پرستی کے تھے یا سوشلزم کے نام پر سوسائٹی میں جدلیت کو فروغ دینے سے تعلق رکھتے تھے۔ جدل کی اساس پر معاشرے کی تقسیم اور سرمایہ پرستی کی بنیاد پر سوسائٹی میں افکار و خیالات کے دو دھارے آج دنیا میں ہمارے سامنے ہیں۔ طبقاتی جنگ یا جدلیت کی بنیاد پر انسانیت کی تقسیم یا سرمائے کی بنیاد پر سرمایہ رکھنے والے اور نہ رکھنے والوں کے درمیان طبقاتی تقسیم۔

ایسی صورت میں دین اسلام کا سوسائٹی کی تشکیل کے حوالے سے جو بنیادی فکر و عمل ہے، اس کو جن علمائے ربانیین نے واضح کیا ہے، ان کا پورا تاریخی تسلسل اور اُن کی جدوجہد کا تعارف اس کتاب میں کرایا گیا ہے۔ اس میں صرف حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ہی کا تذکرہ نہیں ہے، انھوں نے جو بھی کچھ فرمایا ہے، اُن کے جو افکار و خیالات اس کتاب میں زیرِ بحث لائے گئے ہیں، یہ ایک پورا تسلسل ہے علمائے ربانیین کا۔ حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ تک۔ بلکہ اُس سلسلے کے تمام مشائخ جو قادری اور چشتی ہوں، یا سہروردی اور نقشبندی ہوں، تمام اپنے اپنے بانیانِ سلسلہ اور وہاں سے صحابہؓ اور نبی اکرمؐ تک جاتا ہے۔

اس پورے تاریخی تسلسل کے تناظر میں اس کتاب کا بنیادی ہدف یہ ہے کہ سوسائٹی کی تشکیل کے لیے بلاتفریق رنگ، نسل،

مذہب کل انسانیت کی جان، مال، عزت آبرو کے تحفظ کی اساس پر افکار و خیالات متعین ہونے چاہئیں۔ ہر وہ فکر جو تقسیم پیدا کرے، فرقہ واریت پیدا کرے، طبقاتیت اور نسلیت کو فروغ دے، وہ دین اسلام کی جامع تعلیمات اور ان اکابرین اولیاء اللہ علمائے ربانیین اور صوفیا کی تعلیمات کے منافی ہے۔ انسان دوستی کی اساس پر وہ وحدتِ فکری، جس میں تمام انسانوں کو مشترکہ طور پر اُس اجتماعیت کا حصہ بننے کا موقع ملے، سماج کی ترقی کے لیے ناگزیر اور ضروری ہے۔ انسانیت کی تقسیم کو یورپ کی اُن سامراجی طاغوتی قوتوں نے فروغ دیا تھا کہ جس میں انھوں نے نسلی بنیادوں پر، طبقاتی بنیادوں پر، لسانی بنیادوں پر، مذہبی بنیادوں پر، ڈیوائڈ اینڈ رول کی سیاست کے طور پر اس سوسائٹی میں مسلط کیا۔ ڈیوائڈ اینڈ رول (تقسیم کرو اور حکومت کرو) کی سیاست کو ردّ کر کے وحدتِ انسانیت کی بنیاد پر پوری سوسائٹی کی شیرازہ بندی کرنا ان اکابر اولیاء اللہ کے فکر کی بنیاد ہے۔ اس کتاب میں فکر و عمل کی یہ بنیادی حقیقت واضح کی گئی ہے۔

دوسری بنیادی چیز کہ جب بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب ہر انسان کی جان مال عزت آبرو کو تحفظ فراہم کرنا، اس فکر کی بنیادی خصوصیت ہے تو سیاسی نظام کی تشکیل اور حکومتی ڈھانچہ بھی، تمام انسانوں کے حقوق کی ادائیگی کی بنیاد پر ہو۔ حکومت، جس کا بنیادی ہدف اپنی جغرافیائی حدود میں بسنے والے لوگوں کی جان، مال، عزت آبرو کا تحفظ ہوتا ہے، حکومت کے وَجہِ جواز پر مبنی فلسفۂ سیاست یہ متعین کرتا ہے کہ وہ تمام لوگوں کو سیکیورٹی فراہم کرے۔ اپنے جیسے انسانوں کی اپنے پر حکومت کوئی حیثیت نہیں رکھتی اگر وہ انسانوں کو اپنی حکومت رِٹ کے ذریعے سے تحفظ فراہم نہ کر سکے۔ داخلی سیکیورٹی فورسز اور عسکری طاقت وقوت، بین الاقوامی یا سرحدوں سے باہر کے دشمن اور سرحدوں میں موجود چوروں، ڈاکوؤں لٹیروں سے جب تک نہ بچا سکے، اس وقت حکومت حکومت نہیں ہے۔ یہ سیاسی فکر ان اکابر اولیاء اللہ کا رہا۔ اس حقیقت کو سیاسی تناظر میں، سیاسی جدوجہد کے حوالے سے جو حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا کردار رہا، تحریکِ ریشمی رومال کی سرپرستی رہی، اجتماعیت کے لیے جو کردار ادا کیا، اس کو واضح کیا گیا ہے۔

اور تیسری بڑی اہم چیز انسانی جانوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ہر انسان کی معاشی ضروریات و احتیاجات ہیں، ان معاشی احتیاجات کی تسکین کے لیے بھی بلاتفریق رنگ، نسل، مذہب معاشی خوش حالی کے اقدامات کرنا، سوسائٹی میں ایسا معاشی نظام بنانا کہ جو اُس سوسائٹی میں بہ حیثیتِ مجموعی وسائل کی فراوانی اور خوش حالی پیدا کرنے کے لیے کردار ادا کرے۔ آزاد قوم کی یہی شناخت ہوتی ہے۔ آزادی کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ ہم اپنے معاشی فیصلے خود کریں۔ نہ کہ دوسرے اپنے مفادات کے مطابق ہماری معاشی پالیسی بنائیں۔ ہمیں کیا پیدا کرنا ہے اور کتنا پیدا کرنا ہے اور پیدا شدہ دولت کی تقسیم بیس کروڑ لوگوں پر کیسے کرنی ہے؟ اس کے خرید و فروخت اور لین دین میں انسانوں کے لیے سہولت پیدا کرنے، قومی سطح پر تمام لوگوں کو اس سے سیراب کرنے کے لیے ہمیں کیا اقدامات کرنے ہیں؟ یہ ہم جانتے ہیں۔ اس حوالے سے قومی سوچ کا پیدا ہونا ضروری ہے۔

معاشی معاملات میں ہر طاقت ور اپنے مفاد کے مطابق فیصلے کرتا ہے۔ حکومت کا کام اس طاقت کے ذریعے سے سوسائٹی میں طاقت کے غلط استعمال کو روکنا ہے۔ اور معاشی ترقی اور معاشی طور پر تمام انسانوں کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خلافت کی بیعت لیتے ہی جو خطاب فرمایا تھا کہ:

''تم سے جو سب سے زیادہ طاقت ور ہے، وہ میرے نزدیک کمزور ہے اور جس کو تم کمزور سمجھتے ہو، وہ میرے

www.rahimia.org

نزدیک طاقت ور ہے، جب تک کہ میں اُس کو حق نہ دلوا دوں۔''(10)

حق دلوانا حکومت کی ذمہ داری ہے۔حکومت کا فریضہ ہے۔آپ دیکھئے کہ یہ وہ معاشی اقدامات ہیں، جس سے سوسائٹی بہ حیثیتِ مجموعی ترقی کرتی ہے۔ اور معیشت میں مساوات کا بنیادی قانون حضرت ابوبکر صدیقؓ متعارف کراتے ہیں۔ قاضی ابو یوسفؒ نے ہارون الرشید جو خلیفہ وقت ہے، اس کے سوال کے جواب میں جو کتاب لکھی، دنیا میں مالیات پر سب سے پہلی کتاب ہے۔اس میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ:

''هٰذا مُعاش فالاُسوة فيه خيرٌ من الاثُرة.'' (11)

(یہ معاشیات کا معاملہ ہے۔اس میں مساوات بہتر ہے ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے سے۔)

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کوفہ کے گورنر بنتے ہیں تو کوفہ کے لوگوں نے الزام لگایا۔حضرت عمر فاروقؓ کے پاس شکایت لگائی کہ یہ آپ کے گورنر اپنے حکومتی اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں۔تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ کو معزول کر کے عمار بن یاسرؓ کو عارضی گورنر مقرر کیا اور پھر ایک کمیشن مقرر کیا کہ لوگوں سے رائے لے کہ کیا شکایات ہیں؟ تو ایک فرد نے جھوٹے الزامات لگائے، جو حقائق سے ثابت بھی نہیں ہو سکے۔ان کی حکومت پر لگائے جانے والے الزامات میں سے بنیادی بات یہ کہی کہ: **''لا يَقْسِمُ بِالسَّوِيّه و لا يعدل بالقَضِيه.''** یہ ملکی دولت مساوات کی بنیاد پر تقسیم نہیں کرتے۔اور عدالتی فیصلوں میں عدل سے کام نہیں لیتے۔ یہ الزامات جھوٹے تھے، بعد میں تحقیق سے غلط ثابت ہوئے، لیکن وہاں یہ بات مُسلَّم تھی کہ اگر کوئی حکمران ملکی دولت کو مساوی طور پر تقسیم نہ کرے اور عدل و انصاف سے کام نہ لے تو وہ معزول ہونے کے قابل ہے۔ بخاری میں یہ حدیث موجود ہے۔(12)

آپ دیکھئے کہ یہ وہ بنیادی تصورات ہیں، جو اس ولی اللّٰہی جماعت نے حضرت مجدد الف ثانی، امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، قطبِ عالم شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ، ان بزرگوں تک علمائے ربانیین نے انسانیت کے سامنے رکھے ہیں۔اس کتاب میں اسی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ پورا تسلسل جو اولیاء اللہ کا ہے، اس کے تناظر میں یہ فکر ہمارے سامنے آج آنا چاہیے۔ یہ کتاب آج ہمارے پاکستان کے سلگتے ہوئے مسائل اور منتشر ذہنوں میں گھرے ہوئے لوگوں کو ایک واضح سوچ اور فکر دیتی ہے کہ وہ اپنے فکر کو فرقہ واریت سے بالاتر بنا کر کل انسانیت کی فلاح و بہبود کی سوچ لے کر اپنے اندر ایک وحدتِ فکری پیدا کریں۔اُن کے اندر ایک سوچ کی یکسانیت ہو کہ ہم نے تمام انسانوں کے مسائل حل کرنے کے لیے اپنے افکار و خیالات، اپنا نظم و ضبط، اپنی حکومت، اپنا معاشی سسٹم، اپنا قومی نظام تشکیل دینا ہے۔اور پھر اسی کی اساس پر ایسا سسٹم بنانے کی جدوجہد اور کوشش کہ جو سوسائٹی کے ان سلگتے ہوئے مسائل کو حل کر کے یہاں کی طبقاتیت، لسانیت، فرقہ واریت سے نجات دلا کر اولیاء اللہ، علمائے ربانیین کے اس انسانیت دوست فکر سے ہمیں ملا دے، جس کے نتیجے میں گیارہ بارہ سو سال تک دین اسلام کی تعلیمات کے حاملین نے اس برِعظیم پاک و ہند پر ایک منصفانہ نظام قائم کیا۔ بلکہ ایشیا، افریقا اور پوری دنیا میں مسلمانوں کی حکمرانی ایسے ہی عالم گیر نظام کی وجہ سے قائم رہی۔

آج ہمیں ایسے اولیاء اللہ کے افکار و تعلیمات سے آگہی کی بڑی ضرورت ہے۔اور اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ امید ہے کہ قارئین پوری توجہ سے اس کتاب کا مطالعہ کر کے اس بنیادی فکر و عمل کو سمجھنے اور اس کے ساتھ

www.rahimia.org

وابستگی اختیار کرنے کے لیے ضرور کوشش فرمائیں گے۔ و آخر دعوانا أن الحمد للّٰہ ربّ العالمین!

اس کے بعد ناظمِ اجلاس نے کہا کہ: ''ماشاء اللّٰہ، جزاک اللّٰہ ۔ آج ہمارے درمیان قائدِاعظم لائبریری کے ڈائریکٹر جنرل جناب ڈاکٹر ظہیر احمد بابر، جو سیکرٹری بورڈ آف گورنرز بھی ہیں، موجود ہیں اور ہم ان کے تہہ دل سے مشکور ہیں کہ انھوں نے ہمیں یہ جگہ مہیا کی۔ میری اُن سے گزارش ہے کہ وہ سٹیج پر تشریف لائیں۔

جیسا کہ تذکرہ ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی وفات پر منظوم مرثیہ کہا۔ اسی کے حوالے سے آخر میں حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہیں ؎

ہمدمو! رائے کس سے لو گے؟ کہو! مشورے کس سے اب کرو گے کہو!
رازِ دل ، کس سے اب کہوگے ، کہو! ''رائے پور'' بھی کبھی چلو گے؟ کہو!

اب پروگرام کے اختتام کی طرف بڑھتے ہوئے آج کے مہمانِ خصوص جناب پروفیسر ڈاکٹر سعیدالرحمٰن صاحب سے گزارش ہے کہ وہ اس کتاب کے حوالے سے اور آج کی تقریب کے حوالے سے اپنے ارشاداتِ عالیہ سے نوازیں۔''

حضرت عالی رائے پوریؒ : حقیقی تصوف کا عملی کردار

(خطاب ڈاکٹر مفتی سعیدالرحمٰن)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم. أمّا بعد فأعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم. بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم. قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (13) **صدق اللّٰہ العظیم.**

جنابِ محترم حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ، دیگر مہمانانِ گرامی، معزز سامعین!

کتاب کے حوالے سے ہمارے فاضل مقررین نے اور بالخصوص فاضل مؤلف نے جو تعارف کرایا ہے، اس سے یقیناً ہمارے سامنے کئی گوشے واضح ہوئے، نمایاں ہوئے، لیکن یہ ساری چیزیں کتاب پڑھنے کے، اُس کے مطالعے کے متبادل نہیں ہوسکتیں۔ اصل مقصد تقریب کا یہی ہے کہ اس کتاب کی اہمیت، اس کے بنیادی مضامین سے یہاں پر واقفیت ہو۔ اور ہم میں اس بات کی طلب پیدا ہو کہ ہم اس کتاب سے پوری طرح استفادہ کریں۔

سوانح پر یقیناً کتابیں لکھنے کا رواج موجود ہے۔ لکھی جاتی ہیں۔ اور سوانح لکھنے والے پوری کوشش کرتے ہیں کہ اُن کے پاس جتنا بھی الفاظ کا ذخیرہ ہے، وہ پورا کا پورا استعمال کردیں۔ چاہے اُس کا کوئی ربط بہ ظاہر صاحبِ سوانح سے بنتا ہو یا نہ بنتا ہو۔ لیکن اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس کو لکھتے وقت یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ایک جملے کو پوری طرح تولا گیا۔ پرکھا گیا اور حقیقتِ حال سے اس کی مطابقت کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ یہی ایک بڑی مشکل صنف ہے سوانح نگاری۔ اس میں توازن کا قائم رکھنا ایک بڑا مشکل کام ہوتا ہے۔ کیوں کہ ایک طرف عقیدت ہوتی ہے۔ اس کا اظہار بھی ضروری ہوتا ہے۔ دوسری طرف حقائق ہوتے ہیں۔

www.rahimia.org

اس میں توازن قائم کر دیا جائے، یہ گویا کہ لکھنے والے کا ایک سب سے مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ اور بڑی اطمینان کی بات ہے کہ اس کتاب میں ہمارے مؤلف محترم نے بڑی خوبی کے ساتھ حقائق کی نقاب کشائی کی ہے۔ لفاظی نہیں کی۔ محض جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ شعور اور بصیرت کے پیغام کو نمایاں کیا گیا، جو خاص طور پر حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی پوری زندگی کی ایک بنیادی خصوصیت ہے۔

جیسا کہ یہاں پر اس بات کی نشان دہی بھی ہوئی کہ حضرت کی شخصیت کا تعلق بڑے ہی کٹھن دور سے ہے۔ یعنی یہ وہ دور ہے کہ جس میں خاص طور پر مسلمانوں پر ایک بڑا مشکل وقت گزر رہا تھا۔ اُن سے اقتدار چھینا گیا اور پھر اس کے بعد 1857ء کا جو معرکہ ہوا آزادی کا، اس کے بعد تو قیامت ٹوٹی۔ ادارے تباہ ہوئے اور پوری زندگی اتھل پتھل کا شکار ہوئی۔ یہ مشکل ترین دور حضرتؒ نے اور حضرتؒ کے ساتھ اُس جماعت نے دیکھا، جو ولی اللّٰہی جماعت کہلاتی ہے۔ اس وقت اظہارِ رائے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ کسی اجلاس، مجلس، اجتماع، جماعت کا کوئی تصور نہیں تھا۔ کوئی گفتگو کرنے والا نہیں تھا۔ دو آدمی بات کرتے وقت یہ سوچتے تھے کہ شاید کوئی تیسرا آدمی ہماری بات سن رہا ہوگا۔ اس وقت میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت شیخ الہندؒ، یہ پوری جماعت اس مشن کو سنبھالتی ہے۔ اور اس میں ان کا معاون کوئی نہیں۔ یہ جو ہم بعد میں کانگریس وغیرہ کی تحریکات دیکھتے ہیں، اس کے بہت بعد میں جا کر ہیں۔ حضرت سندھیؒ کا ذکر آتا ہے، اور اسی طرح بہت سارے اَور اداروں کا اور انجمنوں کا اور مجلسوں کا ذکر آتا ہے، یہ بہت بعد کی بات ہے۔ اس دور میں اس بکھرے ہوئے معاشرے کو سنبھالنا اور اس کی تربیت کا اہتمام کرنا، اور اُن کو ایک ردِّعمل، ایک احساسِ کمتری اور ایک شکستگی کی کیفیت سے نکالنا، یہ ایک بہت بڑا کام تھا۔ جس کو حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے ایک خانقاہ میں بیٹھ کر ادا کیا۔ اس سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ ایک سچا صوفی کیا ہوتا ہے۔

آج پاکستان میں اور اس وقت دنیا میں اسلام کا ایک نیا برانڈ آ رہا ہے، جس کو ''صوفی اسلام'' کہتے ہیں۔ اس سے پہلے ایک اَور برانڈ رہا ہے، جو ''جہادی اسلام'' تھا۔ وہ تو فیل ہوگیا یا اُس سے کام لے لیا گیا۔ اب ایک نیا برانڈ آ رہا ہے ''صوفی اسلام''۔ سمجھنے کی چیز یہ ہے کہ سچا صوفی کیا ہوتا ہے؟ کس کو کہتے ہیں ایک صحیح خدا پرست اور انسانی معاشرے کے مسائل کو جاننے والے، سمجھنے والا اور مستقبل کا لائحۂ عمل دینے والا، تو یہ کتاب ہمیں بتاتی ہے کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھنا چاہتا ہے کہ ایک حقیقی صوفی کا کردار کیا ہوتا ہے؟ اور آج کے دور میں ہمیں کس طرح کے تصوف کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے؟ یہ کتاب درحقیقت ہماری اس چیز کی پوری پوری جو تشنگی ہے، اس کو مٹاتی ہے۔

ہمارے پچھلے بزرگوں میں ایک قول تھا، غالبًا امام مالکؒ کا ہے کہ جس شخص نے دین کا علم حاصل کیا اور اُس میں تصوف نہیں ہے، خدا پرستی نہیں ہے تو اس بات کا اندیشہ ہے کہ وہ فسق و فجور کی طرف نکل جائے گا۔ قانون شکن بنے گا۔ خدا کا نافرمان بنے گا۔ اور اسی طرح ایک شخص تصوف میں آ گیا، لیکن اُس نے دین کا علم و شعور حاصل نہیں کیا تو وہ یقیناً الحاد کی طرف جائے گا، زندیقیت کی طرف جائے گا۔ لیکن جس نے ان سب کو جمع کیا، دین کا علم و شعور بھی حاصل کیا، اور اُس کے ساتھ ساتھ اس نے خدا پرستی، اللہ کے سامنے پیش ہونے کا تصور، جواب دہی، محاسبہ، جس کو تصوف کہا جاتا ہے، وہ پیدا کیا تو یہ درحقیقت وہ شخص ہے، وہ کردار ہے کہ جس نے دین کی حقیقت کو پایا۔ تو دین کی حقیقت کا تعلق کسی ایک شعبے سے نہیں ہے۔

ہمارے ہاں دورِ زوال میں ہوا یہ کہ دین کے شعبے ایک دوسرے کے ساتھ متعلق نہیں رہے۔ ایک دوسرے سے اُن کو کاٹ دیا گیا۔ اور شعبوں کی محنت شروع ہوگئی۔ یقیناً ان محنت کرنے والوں کا اخلاص ہوگا۔ وہ ہمارا موضوع نہیں۔ لیکن اس کا نقصان یہ ہوا کہ ان شعبوں کا آپس میں تعلق نہ ہونے کے نتیجے میں بہت سی پیچیدگیاں اور فکر کے اندر بہت ساری خامیاں پیدا ہوگئیں۔ اسی وجہ سے یہاں پر اس کتاب میں اس بات کو خاص طور پر اُجاگر کیا گیا ہے۔ اور اس کتاب کو لکھنے میں ایک ہمیں مربوط فکر و فلسفہ نظر آتا ہے۔ یہ محض معلومات جمع نہیں کی گئیں۔ صاحبِ سوانح کی زندگی میں کیا ربط تھا، کیا فکر و فلسفہ تھا، جس کے نتیجے میں انھوں نے علومِ شریعت میں کام کیا۔ علومِ طریقت میں کام کیا، سیاسی موضوعات پر اُن کی محنت موجود ہے۔ تو وہ فکر و فلسفہ اس کو سمجھنے کی بہت زیادہ ضرورت ہے، جو انسانی شعبوں کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط کرتا ہے۔ اور اس ربط کے ٹوٹنے کی وجہ سے سوسائٹی کے اندر انتشار پیدا ہوتا ہے۔

آج جو انتشار ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ کسی ایک شعبے پر پورے دین کی عمارت کھڑی کی جاتی ہے۔ کچھ نے ہمارے ہاں نفاذِ شریعت کو سارا ایجنڈا بنایا اور اُس پر عمارت کھڑی کر لی گئی۔ وہ بھی ابھی رہتی ہے۔ کچھ نے سیاست کو بنیاد بنایا اور اُس پر اپنا سارا پلان اور منصوبہ تیار کرلیا۔ کچھ تصوف کو اپنا موضوع بنا کر کہتے ہیں کہ یہی سب کچھ ہے۔ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُس سے بجائے سوسائٹی میں وحدت پیدا ہونے کے مذہب کے نام سے انتہا درجے کا فکری انتشار موجود ہے۔

اس کتاب کا جو بنیادی میسیج اور بنیادی پیغام ہے، وہ یہی ہے کہ ان شعبوں کو جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے تھے، ایک دوسرے کو اس کے دائرے میں رکھ کر اس کے کردار کو مضبوط اور بہتر کرنے والے تھے۔ اس فکر کو سمجھا جائے۔ اور پھر فکر کی نمائندہ شخصیات ہیں، یہ محض کوئی کتابی یا تھیوری یا نظریے کی باتیں نہیں ہیں، یہ شخصیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور ایک پورا ولی اللّٰہی تاریخی سلسلہ ہے، اس سلسلے کی بنیادی خوبی یہ ہے کہ اس نے ان تمام شعبوں کو جوڑا، جن کا عام طور پر شریعت، طریقت، سیاست کے عنوان سے ذکر ہوتا ہے۔ یہ سب شعبے ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر نتیجہ دیتے ہیں۔ جب ان کو ایک دوسرے سے علاحدہ کیا جاتا ہے اور اس بنیاد پر کوئی جدوجہد کی جاتی ہے تو فکری انتشار میں اضافہ ہوتا ہے۔

آپ دیکھ لیں کہ نفاذِ شریعت کے نام سے پاکستان میں کوششیں ہوئیں۔ تو قدم آگے بڑھنے کے بجائے بہت پیچھے ہوگیا۔ طریقت اور تصوف کے نام پر سوسائٹی کے اندر جو کچھ ہو رہا ہے، اس نے سوسائٹی میں توہمات کو فروغ دیا اور ایک عجیب و غریب طبقہ پیدا کر دیا۔ اور سیاست کا تو آپ حال ہی نہ پوچھیں کہ اُس کے ساتھ کیا کچھ ہو رہا ہے، وہ تو آج کل عدالت کی کارروائی آپ کے سامنے ہے۔

مقصد کہنے کا یہ ہے کہ اس کتاب میں محض کوئی ایک گزری ہوئی تاریخی شخصیت کا ذکر نہیں ہے، بلکہ یہ حال کے حوالے سے بھی ہمیں بہت کچھ رہنمائی عطا کرے گی۔ وہ رہنمائی اصل میں ہمیں سمجھنی ہے کہ تاریخی تسلسل کے ساتھ وہ رہنمائی کیا ہے اور ان شخصیات کے اور خاص طور پر حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کہ جنھوں نے اپنی شخصیت کو اتنا نمایاں نہیں کیا، اور ہمیشہ ایک ایسی زندگی بسر کی، جو بہت زیادہ سامنے آنے والی نہیں تھی۔ تو گویا کہ یہ حضرت مفتی صاحب کا بہت بڑا کنٹری بیوشن ہے کہ ان شخصیات کی بکھری ہوئی باتیں یک جا جمع کر دیں، جو مختلف جگہوں پر تھیں۔ اس طرح انھوں نے اس شخصیت کو ہمارے سامنے لا

کھڑا کیا اور ایک اس دور کی تاریخ ہمارے سامنے زندہ ہوگئی کہ کن مشکل حالات میں حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ اور ان کے سلسلے کے لوگوں نے اس کام کو آگے بڑھایا۔

اس وَجہ سے یہ کتاب آج کے دور کو بھی سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ آج کے تقاضوں کی طرف بھی رہنمائی کرتی ہے۔ ماضی کے حالات، ماضی کی جدوجہد اور اس دور کے اندر جو کاوش ہوئی، اس کا تعارف بھی کراتی ہے۔ یہ محض ایک شخصی تعارف نہیں ہے، بلکہ پورا ایک تسلسل ہے ولی اللّٰہی فکر کا، ولی اللّٰہی جماعت کا ایک سلسلہ ہے، اس کے تعارف پر مبنی یہ کتاب ہے۔ اور یہ ایک فکر رکھنے والی، ایک سوچ دینے والی کتاب ہے۔ اس وَجہ سے اس کتاب کا مطالعہ یقیناً نہ صرف اپنی گزشتہ تاریخ سے مربوط کرتا ہے، بلکہ آج کے حالات کے اعتبار سے بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ آج کے دور میں دین کے سچے تقاضے کیا ہیں۔ اور یہ وہ لوگ تھے جو صرف گفتگو کرنے والے نہیں تھے، بلکہ گفتگو کم کرتے تھے، صاحبِ حال تھے۔ ان کا کردار بولتا تھا۔

شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے اپنی جو بھی اُن کے پاس ملکیت اور جائیداد تھی، اس کو انھوں نے وقف کر دیا۔ اس کو ترکہ نہیں بننے دیا۔ اب آپ بتائیں کہ آج کے دور میں کوئی ایسا صوفی آپ کو نظر آئے گا؟ آج کے جتنے بھی صوفی کہلاتے ہیں، درباروں کے نام پر کام کر رہے ہیں، اُن کا کام کیا ہے؟ نذرانے سمیٹنا اور غریبوں سے سمیٹنا۔ اُن کی جائیدادیں دیکھیں آپ۔ اُن کی جاگیریں دیکھیں آپ۔ اور ایک یہ صوفی ہے کہ جس کے پاس جو کچھ موجود ہے، اس نے اس کو وقف کر دیا کہ یہ میرے ورثا کا نہ ہو۔

اسی سوانح کے اندر ذکر ہے کہ جب حضرتؒ کا آخری مرض تھا تو حضرتؒ کے پاس 1300 روپے جمع تھے اور ارادہ تھا حج کرنے کا، لیکن اس چیز کو محسوس کیا کہ مرض بڑھ رہا اور اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ رقم ترکہ بن جائے۔ تو اسی وقت وہ رقم منگوا کر تقسیم کر دی۔ یعنی ملکیت کا تصور کیا ہے دین کے اندر، جس پر بڑی بحث ہوتی ہے اور دین کے حوالے سے ملکیت کو، جاگیروں کو اور سرمائے کو تحفظ دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے اُس تصورِ ملکیت کو جو اسلام کا تصور ہے، اس کو واضح کیا کہ یہ امانت ہے۔ حتیٰ کہ حضرتؒ نے جو لباس پہنا ہوا تھا، وہ لباس بھی حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، جو اُن کے جانشین بنے، اُن کی ملکیت کر دیا۔ اور اُن سے عاریتاً لے کر، یعنی وقتی جیسے استعمال کے لیے چیز لی جاتی ہے، اس کو عاریتاً لے کر استعمال کیا کہ جب تک میں حیات ہوں، اس وقت تک استعمال کروں گا۔

یہ ہے وہ اپروچ، جس کی آج ضرورت ہے۔ ملکیت کے نام سے جو بڑے بڑے اِمپائر کھڑے ہوتے ہیں، چاہے اُس کو مذہبی تحفظ دے دیا جائے یا اس کے پیچھے آپ جو بھی پورا فلسفہ، کہانی کہہ دیں، اس کا دین اور اسلام سے کیا تعلق ہوسکتا ہے؟ یہ وہ لوگ تھے، جنھوں نے اپنے کردار سے واضح کیا کہ دین کیا ہے! دین کا پیغام کیا ہے! اور دین معاشرے میں کس طرح غلبہ حاصل کرسکتا ہے۔ تو ہمیں ان بزرگوں سے، ان اکابر سے نہ صرف اُن کی معلومات حاصل کرنی ہے، بلکہ اُن کے فکر و فلسفے سے، اُن کے عمل و کردار سے اپنا تعلق جوڑنا ہے۔

یقیناً جیسے ابھی ذکر بھی ہوا کہ یہ ایک قرض تھا، جو حضرت مفتی صاحب نے ادا کیا۔ اس پر ہم سب ان کے ممنون ہیں۔ اور انشاء اللہ ان کی جو تحریری کاوشیں ہیں، وہ مزید ہمارے سامنے آتی رہیں گی۔ ان سے ہم استفادہ کرتے رہیں گے۔

اس تقریب کے انعقاد پر جو بھی منتظمین ہیں، ان کا بھی میں شکر گزار ہوں کہ انھوں نے ایک اچھا موقع فراہم کیا کہ جس

میں ہم نے اس موضوع پر حضرات کی سیر حاصل گفتگو سنی۔ اس سے مستفید ہوئے۔ بہت شکریہ!

اس کے بعد ناظمِ اجلاس نے کہا کہ: ''بہت شکریہ! آج کی اس تقریب کے با قاعدہ اختتام سے پہلے میں گزارش کروں گا ہمارے میزبان ڈی جی قائدِاعظم لائبریری اور سیکرٹری بورڈ آف گورنرز ڈاکٹر ظہیر احمد بابر صاحب سے کہ وہ آئیں اور یہاں آج کی تقریب کے حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کریں۔''

دنیا کی اِمامت انھیں قوموں کو ملی، جنھوں نے کتاب کو اپنایا

(خطاب جناب ڈاکٹر ظہیر احمد بابر)

نحمدہٗ و نُصلّی علیٰ رسولہِ الکریم أمّا بعد!

أعوذ باللّٰہ من الشّیطان الرّجیم، بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم.

میں آپ سب مہمانانِ گرامی کا بہت شکرگزار ہوں کہ آپ قائدِاعظم لائبریری باغِ جناح لاہور میں تشریف لائے اور ہمیں یہ موقع دیا کہ ہم آپ کو لائبریری کے بارے میں بتائیں اور یہاں پر خوش آمدید کہا جائے۔ اور یہ بتایا جائے کہ کتابوں کی اصل جو تقاریب ہیں، وہ ان لائبریریوں کا حصہ ہیں۔ جہاں پر کتابیں پڑھی جاتی ہیں۔ جہاں سے علم کی روشنی دنیا میں پھیلتی ہے۔ پاکستان میں قائدِاعظم لائبریری سب سے بڑی لائبریری ہے۔ یہ کتابوں کا وائٹ ہاؤس ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ کا آنا آج باعثِ رحمت بھی ہے اور ہمارے لیے عزت و افتخار بھی ہے۔ آپ یقین کریں یہاں سے صرف روشنی نکلتی ہے۔ یہ عبادت کا حصہ ہے۔ یہاں کے تمام معاملات صرف روشنی پھیلاتے ہیں۔ اس سورج کی کرنیں علم کو اتنا بڑھا رہی ہیں کہ آپ یقین کریں کہ 2013ء میں جب میں نے یہاں پر جوائن کیا تو ہمارے ممبرز کی تعداد تقریباً دس ہزار تھی، اور الحمدللہ! آج میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ ابھی کم ہے کہ پچاس ہزار سے زیادہ ہماری ممبرشپ ہے۔ روزانہ کے حساب سے ایک سو بیس ریڈرز یہاں تشریف لاتے تھے، اور آج چھ سو ریڈرز روزانہ کے حساب سے آتے ہیں۔

لائبریریاں بند نہیں ہوسکتیں۔ آپ جیسا کہ بہت بڑے دانش ور ہیں اور جانتے ہیں کہ کتاب ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔ اور چوں کہ قرآن پاک جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہوا ہے کہ وہ ختم نہیں ہوسکتا اور وہ ''کتاب اللہ'' ہے، جس کی حفاظت اللہ نے کی ہے تو پھر کتاب کیسے ختم ہوسکتی ہے۔ اگرچہ یہاں پر کمپیوٹرز آجائیں، دنیا کی ہر چیز میسر ہو۔ تو اللہ پاک نے جب حصہ ڈال دیا کہ قرآن مَیں محفوظ کروں گا۔ وہ ایک کتاب ہے اور کتاب کبھی ختم نہیں ہوسکتی۔ ہمارے پاس پورے پنجاب میں ایک ایسا سلسلہ بھی ہے کہ ستر سال پہلے سے جو کئی ایک لائبریریاں نہیں مل رہی تھیں، لیکن ہم نے یہاں نئی لائبریریاں بنانا شروع کردی ہیں۔ پنجاب میں پہلی دفعہ نئی لائبریریاں بننا شروع ہوچکی ہیں۔ جو بند تھیں، وہ کھل رہی ہیں۔ اور اسی سال انشاءاللہ ایک سو چھہتر لائبریریاں نئی معرضِ وجود میں آجائیں گی۔ یہ ہمارے لوگوں کے لیے، ہماری نسل کے لیے بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بند لائبریریاں کھلنے کے بعد، نئی چیزیں آنے کے بعد میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے بچوں کو تعلیم کے اَور زیادہ مواقع فراہم ہوں گے۔

www.rahmia.org

آپ یقین کرلیں، میں لمبی بات نہیں کرنا چاہتا کہ جو سیاہی کالی رات کی سیاہی تھی، وہ ختم ہوچکی ہے۔ وہ ڈھل چکی ہے۔ صبح کا سورج اب طلوع ہوچکا ہے۔ دنیا میں انھیں لوگوں نے حکومتیں کی ہیں، وہ پوری دنیا کے امام بنے ہیں، جنھوں نے کتابیں پڑھیں، کتابیں پڑھ کرانھوں نے اپنا نام روشن کیا۔ لوگوں نے ان لوگوں کو اٹھایا اور اپنے ملکوں میں لے گئے۔ کسی نے اُن کو پیسے دے دیے۔ کسی نے امیگریشن دے دی۔ ہمارے بہت سارے لوگ ایسے ہیں جو باہر گئے اور انھوں نے محنت کی۔ اور اُن ملکوں کا نام روشن کرکے وہ دنیا کے امام بن گئے اور ہم امام بنیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارا یہ سارا کام ہمارے ملک کے لیے ہے اور ہمارا ملک ان شاء اللہ ترقی کرے گا۔ اور آج کا پروگرام اس کا ثبوت ہے کہ لائبریریاں کبھی بند نہیں ہوسکتیں۔ کتابوں کا سلسلہ کبھی رُک نہیں سکتا۔ میں آپ لوگوں کا بہت شکرگزار ہوں اس کتاب کے حوالے سے کہ آپ نے یہاں پر اس کتاب کا افتتاح کیا، ''سوانحِ حیات'' کے بارے میں آپ نے جانا۔ اور یہاں پر یہ تقاریب ہوتی رہنی چاہئیں۔ کتابوں کی تقاریب ہوں گی تو یہ سلسلے بہت آگے بڑھ جائیں گے۔ اور اتنا خوب صورت مقام اور اس باغ میں لائبریری، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے لیے یہ بہت بڑی عزت والا کام ہے۔

میں آپ سب لوگوں کا بہت بہت شکرگزار ہوں کہ آپ لوگ یہاں پر تشریف لائے اور یہاں پر اس تقریب کا انعقاد کیا۔ آپ سب کا بہت شکریہ اور قائدِاعظم لائبریری کے حوالے سے بھی بہت شکریہ۔

اس کے بعد ناظم اجلاس نے کہا کہ:

''آج کی اس تقریب کا یہاں اختتام ہوا چاہتا ہے، جس میں ہم نے اس تصنیف کے حوالے سے چشمہ فضل اور معدنِ احساں، چراغِ ہدیٰ شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ کی ذات والا صفات کا ذکرِ جلیل کر کے اپنے دلوں کو منور کرنے کی سعی کی۔ میں ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور کی مجلسِ انتظامیہ اور اس کے شعبۂ تعلقاتِ عامہ کے ناظم مولانا محمد عباس شاد کی طرف سے تمام مہمانانِ گرامی، خصوصاً مقررین کرام اور مہمانانِ اعزازی کا شکرگزار ہوں۔ اس کے ساتھ ہی گزارش کرتا ہوں صاحبِ کتاب حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ العالی سے کہ وہ دعا کے ساتھ آج کی اس تقریب کی تکمیل فرمائیں۔''

----

www.rahimia.org

حوالہ جات

1۔ القرآن 62:10۔

2۔ صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی إلیٰ رسول اللّٰہ ﷺ حدیث نمبر1.

3۔ سنن ابن ماجه، حدیث نمبر 64.

4۔ القرآن 62:10۔

5۔ القرآن 7:1-5

6۔ سنن ترمذی، حدیث نمبر 2681.

7۔ القرآن 119:9۔

8۔ رواه مسلم، حدیث 1842.

9۔ اخرجه المسلم فی کتاب الامارة، باب قوله لا تزال طائفة من امّتی الخ، حدیث نمبر 4950. و اخرجه البخاری، فی کتاب المناقب، باب سواء المشرکین الخ، حدیث نمبر 3641.

10۔ *حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے اپنی پہلی تقریر کے اصل الفاظ یہ ہیں:*

''أمّا بعد! أیّها النّاس! فإنّی قد وُلّیتُ علیکم، و لستُ بخیرکم، فإن أحسنتُ فأعینونی، و إن أساءتُ فقوّمونی، الصّدق أمانة، و الکذب خیانة، و الضّعیف فیکم قویّ عندی، حتّی أرجع علیه حقّه إن شاء اللّٰه، و القویّ فیکم ضعیف حتّی آخذ الحقّ منه إن شاء اللّٰه.''

(البدایه و النهایه لابن کثیر، خلافة ابی بکر الصّدیقؓ و ما فیها من الحوادث، ج:6، ص: 06-305، طبع: دارالکتب العلمیه ،بیروت، لبنان، الطّبعة الأولیٰ ۱۴۰۵ھ/ 1985ء.)

11۔ کتاب الخراج، للقاضی ابویوسف، ص: 46-45.

12۔ رواه البخاری، کتاب الصّلوٰة، باب وجوب القرأت للإمام و المأموم الخ، *حدیث نمبر* 755۔

13۔ القرآن 108:12۔

☆

www.rahimia.org

تأثُّرات

کتاب ''سوانح حیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' پر معاصر رسائل واخبارات کے تاثرات

ماہنامہ ''الحق''، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

(بابت ماہ رجب ۱۴۳۸ھ/ اپریل 2017ء)

تبصرہ نگار: مولانا محمد اسرار مدنی

''سوانح حیات قطبِ عالم حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کو تمام خانقاہوں میں پڑھا اور سمجھا جائے۔''

''خانقاہِ رائے پور برصغیر پاک و ہند کی مذہبی، اصلاحی اور سیاسی خدمات کی وجہ سے ہمیشہ اہل علم وصلحا کا مرکز رہا۔ اس خانقاہ کے بانی مبانی شخصیت حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری رحمہ اللہ تھے۔ جو کہ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور اور تحریکِ ریشمی رومال کے سرپرستِ اعلیٰ تھے۔ جب کہ حضرت میاں عبدالرحیم سہارن پوریؒ، سیدالطائفہ حضرت مولانا امداداللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سمیت تینوں بزرگوں سے مجاز بیعت تھے۔

اس خانقاہ کو برصغیر میں یہ انفرادیت حاصل تھی کہ اس میں سالکین کی روحانی اور اَخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ سیاسی اور فکری تربیت کا بھی خوب اہتمام تھا۔ اگر ایک طرف ذکرِ الٰہی کی صدائیں گونجتی تھیں تو دوسری طرف بیرونی دشمن کی یلغار پر منظّم منصوبہ بندی کی حکمتِ عملی بھی تشکیل پاتی تھی۔ خانقاہ میں امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کا سیاسی وانقلابی ہفت روزہ اخبار ''الہلال'' پڑھایا جاتا تھا۔

زیرِتبصرہ کتاب ''سوانح قطبِ عالم'' حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہٗ کی مکمل، مفصل اور جامع حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔ کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب: نقوشِ زندگی، دوسرا باب: علوم شریعت کے بحرِ ذخار، تیسرا باب: تزکیۂ نفوس میں رشد وہدایت کے تاجدار، چوتھا باب: قومی آزادی کی جدوجہد میں سیاسی کردار، چھٹا باب: مکتوبات، ساتواں باب: خطبات و مقالات، آٹھویں باب: خلفا، جانشین اور رائپوری تسلسل میں حضرت رائے پوری ثانی (شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ)، ثالث (شاہ عبدالعزیز رائے پوریؒ) اور رابع (شاہ سعید احمد رائے پوریؒ) رحمہ اللہ کے احوال، نوواں باب: منظوم خراج عقیدت اور تاریخ ہائے وفات اور دسواں باب: شجرات سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پوری پر مشتمل ہے۔ جب کہ آخر میں اشاریہ مقابر ومزارات

www.rahimia.org

اولیائے کرام کے ساتھ تعارف شخصیات کا ایک دلچسپ اور معلوماتی ضمیمہ ہے۔ یہ کتاب حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی مدظلہ، سرپرستِ اعلیٰ مظاہر العلوم سہارن پور اور حضرت مولانا مفتی افتخار حسین کاندھلوی سمیت دیگر اہم شخصیات کی تقاریظ سے مزین ہے۔

عصرِ حاضر کی مادہ پرست تہذیب میں رائے پور جیسی خانقاہ کی بہت ضرورت ہے جو سالکین کی روحانی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ فکری اور سیاسی تربیت بھی کر سکے۔ زیرِ نظر کتاب اس قابل ہے کہ تمام خانقاہوں میں اس کو پڑھا اور سمجھا جائے۔ اس ضخیم اور مفصل کتاب پر اس کے مصنف حضرت مولانا عبدالخالق آزاد قابلِ تحسین و تبریک ہیں۔ اعلیٰ طباعت، خوش نما کتاب اور خوب صورت جلد میں مجلد یہ کتاب رحیمیہ مطبوعات 33/A کوئنز روڈ لاہور 042-36307714 سے بارعایت دستیاب ہے۔

ماہنامہ ''الخیر''، جامعہ خیر المدارس، ملتان

(بابت ماہ ذوقعدہ ۱۴۳۸ھ/ اگست 2017)

تبصرہ نگار: مولانا محمد ازہر، ایڈیٹر ماہنامہ ''الخیر''

''سوانح حیات قطبِ عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ''

مصنف: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

ناشر: رحیمیہ مطبوعات، رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

قطبِ عالم، شیخ المشائخ، حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ برصغیر پاک و ہند کی ان جلیل القدر ہستیوں میں سے ایک ہیں، جن کے وجود پر یہ خطہ بجا طور پر فخر کر سکتا ہے۔ علم و عمل، شریعت و طریقت اور سیاست و اجتماعیت کے مختلف میادین میں آپؒ کی وقیع خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔

حضرت رائے پوریؒ کی متنوع الجہات دینی خدمات کا کچھ اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؒ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارن پور اور نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی سمیت برصغیر کے مختلف مدارسِ دینیہ کی سرپرستی فرما کر علومِ شریعت کی نشر و اشاعت اور تحفظ و بقا کا فریضہ بھی انجام دیتے رہے۔ رائے پور کی خانقاہ میں بیٹھ کر راہروانِ راہِ طریقت و طے کنندگانِ جادۂ سلوک کے قلوب میں عشقِ الٰہی و محبتِ خداوندی کا جذبۂ محمود بھی پیدا کرتے رہے۔ اور دینِ اسلام کے غلبے اور خطے سے انگریز سامراج کے خاتمے کے لیے جرأت، عزیمت، استقلال، پامردی اور اولوالعزمی کے ساتھ ''تحریکِ ریشمی رومال'' میں قائدانہ کردار بھی ادا کرتے رہے۔ جامعیت کی یہ شان بہت کم خوش نصیبوں کو نصیب ہوتی ہے۔

اگرچہ حضرت اقدس رائے پوریؒ کے احوالِ زیست مختلف سوانحی و تاریخی کتب میں منتشر طور پر مرقوم ہیں، لیکن اس جامع الصفات ہستی کی مفصل سوانح وابستگانِ خانقاہِ عالیہ رحیمیہ پر ایک قرض تھا، جس سے سوانح نگار حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ بہ طریقِ احسن سبکدوش ہوئے ہیں۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ 1998ء میں طبع ہوئی تھی اور ایک عرصے سے نایاب تھی۔ زیرِ نظر نیا ایڈیشن گراں قدر معلومات اور وقیع اضافہ جات پر مشتمل ہے۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اکابر کی

www.rahimia.org

سوانح اور برصغیر کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کے لیے ایک بیش قیمت تحفہ ہے۔

کاغذ، کمپوزنگ، جلد، طباعت بہتر۔ صفحات: 752۔ قیمت درج نہیں۔ رابطہ نمبر 042-36307714

ماہنامہ ''صدائے فاروقیہ''، شجاع آباد

(بابت ماہ شعبان رمضان ۱۴۳۸ھ/مئی جون 2017ء)

تبصرہ نگار: محمد طلحہ عثمان

''خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور؛ رُشد و ہدایت کا مرکز''

دنیا میں عاداتِ رذیلہ سے چھٹکارا، اَخلاقِ حسنہ سے آراستہ، احکامِ ربانی کی تعمیل، دُنیوی و اُخروی زندگی میں کامیابی، قربت ِالٰہی کی حسین آرزو ہر عقل مند ذی شعور مسلمان کا مقصد اور خواہش ہے۔ یہ سب منافع خیز اَوامر اولیاء اللہ، مشائخِ اُمت، علمائے ربانیین کی قابل تعظیم صحبت، اُن کی قدم بوسی اور اُن سے تعلق و بیعت سے نصیب ہوتے ہیں۔ اسی کا دوسرا نام ''خانقاہی نظام'' ہے، جہاں اللہ اللہ کی صدائیں بلند ہیں۔ پتھر دلوں کو موم کیا جاتا ہے۔ محبت و اُلفت کا درس دیا جاتا ہے۔ ان تربیت گاہوں میں ایک ایسا نام، جس کی شہرت پہ آسمان بھی گواہ ہے، جسے ''خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور'' سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ خانقاہ رُشد و ہدایت کا مرکز رہی۔ اس مرکزِ علم و حکمت میں مشائخ وقت نہ صرف ستے چہروں اور بجھے قلوب میں نورانیت، محبتِ الٰہی کی شمعیں روشن کیا کرتے تھے، بلکہ انقلابِ زمانہ سیاسی و سماجی تحریکات کی سرپرستی اور قوتِ ضالّہ کی بیخ کنی کی مشاورت بھی یہاں ہوا کرتی تھی۔

اس نورانی، روحانی و عرفانی مرکز کے بانی قطبِ عالم، شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم نقشبندی (رائے پوریؒ) تھے، جو جامع الکمالات، صفات سے مزین تھے۔ آپؒ حضرت میاں عبدالرحیم سہارن پوریؒ، سیّد الطائفہ حضرت امداداللہ مہاجر مکیؒ اور حضرت مولانا رشیداحمد گنگوہیؒ سے بیعت و اجازت یافتہ تھے۔ آپؒ نے خانقاہی نظام سے تخریبی قوتوں اور فسادی عناصر کے طرزِ فکر کے خلاف شعور بخشا۔ انسانیت کو صرف خدا پرستی، انسان دوستی کا درس دیا۔ آپؒ نے دینی تعلیم کا دائرۂ کار عوامی سطح تک پہنچانے اور مزید منظّم و مربوط کرنے کے لیے قرآنی مکاتب کا جال بچھایا۔ آپؒ کو زمانۂ عصر کے اصحابِ علم و دانش میں بڑی بلند مرتبت کی حیثیت حاصل تھی۔

حضرتؒ کی علوِشان و مرتبت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ الہند (مولانا محمود حسن) آپؒ کو 'صالحین کا سربراہ'، ''علما کا سردار'' اور ''عارفین کی محفل کا صدرنشین'' قرار دیتے تھے۔ برصغیر کے دو مرکزی تعلیمی ادارے دارالعلوم دیوبند اور مظاہرالعلوم سہارن پور اور دیگر کئی تعلیمی مراکز آپؒ کے سایہ فگن میں تھے۔ جس عرصے میں حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقا سمیت گرفتار کر لیے گئے تھے، اُس دوران برصغیر کی تمام دینی تحریکات وشخصیات کے کعبہ و ماتھے کے جھومر تھے۔

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ اُسی عظیم خانقاہِ عالیہ رحیمیہ کے پانچویں مرجع وصدرنشین ہیں۔ موصوف نے انتہائی جاں فشانی و جدوجہد سے حضرت والاؒ کے مطہر و متبرک، بکھرے ہوئے پھول یک جا کیے ہیں۔ اس کے لیے انھیں پاکستان،

www.rahimia.org

ہندوستان کے علما سے ملاقاتیں، لائبریریوں کی چھان بین کے پُر کٹھن مراحل سے بھی گزرنا پڑا۔

حضرت مدظلہٗ نے زیرِتبصرہ 720 صفحات کی ضخیم کتاب میں سلسلۂ عالیہ رحیمیہ رائے پور کے مشائخ کا مختصراً، حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کا تفصیلاً، حالات و واقعات پر مشتمل موتیوں کو تحریر کی لڑی میں پرو کر احسانِ عظیم فرمایا ہے۔ جب کہ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین مظاہریؒ (ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر العلوم سہارن پور)، مفتی افتخار الحسن کاندھلوی (خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ)، مولانا محمد طلحہ کاندھلوی (خلف الرشید حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ) اور مفتی ڈاکٹر سعید الرحمٰن مدظلہم (خلیفہ مجاز حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ) کی حسین آرا سے اس سوانحی و اصلاحی نصاب کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس کتاب پر تبصرہ کرنا بندۂ عاجز اپنے لیے انتہائی گراں سمجھتا ہے اور اس پر ٹوٹے پھوٹے الفاظ تحریر کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف سمجھتا ہے۔ یہ قابل کشش کتاب؛ حسین، پاک دامنی اور کامیاب حیات کے لیے بہترین گلدستہ ہے۔

ویب سائٹ ''تعلیمی زاویہ''

(مؤرخہ 31؍جنوری 2017ء)

تبصرہ نگار: پروفیسر محمد اکرم سومرو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

''شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ پر انقلابی کتاب''

برعظیم پاک و ہند وہ عظیم خطہ سرزمین ہے کہ جسے قدرت نے مادی نعمتوں سے سرفراز فرمایا ہے۔ یہ خطہ ہزار سال سے تہذیب و تمدن کا مرکز بھی ہے۔ اس خطے میں وہ تمام تر قدرتی وسائل موجود ہیں، جو انسانی سماج کی تعمیر و تشکیل کے لیے معاون مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اولیاء اللہ، بزرگانِ دین، اور علمائے حق کے تاریخی کردار نے اس خطے کی سماجی ترقی میں ہمیشہ حصہ ڈالا۔ یہی وَجہ ہے کہ یہاں پر چاروں سلاسلِ صوفیا و تصوف نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ اور چشتیہ سلسلے کے عظیم بزرگوں نے انسانی قلوب کو دینِ اسلام کے پیغام سے منور و روشن کیا ہے۔

مسلم دورِ حکومت کی اصل طاقت اور ووٹ بینک ہمیشہ انھی بزرگوں کی محنت اور اخلاص کی بنیاد پر آگے بڑھا ہے۔ جب تک یہاں کہ حکمران سچے اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خدمتِ انسانیت کے جذبے کے تحت یہاں حکومت کرتے رہے، اس وقت تک ان کا اقتدار یہاں پر قائم رہا۔ جب اس تعلق میں کمزوری اور انسانی خدمت کی جگہ ذاتی مفادات کا حصول بنا تو اقتدار بھی ہاتھوں سے گیا اور اپنی شناخت بھی چھین لی گئی۔ اس صورتِ حال سے دوچار ہونے کے باوجود اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین نے مایوس ہونے کے بجائے انسانی سماج کی ترقی میں ہمیشہ مؤثر کردار نبھایا۔

مغل حکمران اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات سے تین سال قبل برصغیر میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی پیدائش ہوئی، جنھوں نے بعد میں جلیل القدر فقیہ، عالمِ دین، صوفی، محقق، مجدد اور انقلابی رہنما کے طور پر ناقابلِ فراموش خدمات اور اَنمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ مسلمانوں کی سیاسی حکومت کو زوال اور انگریز سامراج کے بڑھتے ہوئے کنٹرول کے پیشِ نظر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

www.rahimia.org

نے یہاں کے سیاسی نظام کو بدلنے کے لیے ''فَکُّ کُلِّ نِظام'' کا نظریہ پیش کیا۔ یہ نظریہ؛ دین کی جامعیت اور قرآن وسنت کے نظام کو مدنظر رکھتے ہوئے دیا۔ محض نظریہ الفاظ تک محدود نہیں رہا، بلکہ اس نظریے پر تصنیف و تالیف کے ساتھ اس نظریے پر جماعت بندی بھی کی۔

اس نظریے کو بعد میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے فرزند اور تحریکِ آزادی کے مرکزی رہنما امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے آگے پھیلایا۔ جب مسلمانوں کی سیاسی حکومت کا مرکز دہلی کمزور پڑا تو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ''فتویٰ دار الحرب'' کے ذریعے یہاں کے باشندوں کے سیاسی شعور کو بیدار کیا کہ اب انگریز سامراج کے خلاف شعور اور نظام پر مکمل کنٹرول حاصل کرنے کی جدوجہد کا وقت ہے۔

یہ نظریاتی و سیاسی کام صرف شاہ عبدالعزیز دہلویؒ تک محدود نہیں رہا، بلکہ اگلے مرحلے میں دہلی میں شاہ محمد اسحاق دہلویؒ نے سرانجام دیا اور اس فکر کے پھیلاؤ میں باقاعدہ عملی کام کیا۔ دوسری جانب اس فکر پر بالاکوٹ میں سیّد احمد شہیدؒ، شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کی شہادت ہوئی۔ یہ ''فتویٰ دار الحرب'' کے نتیجے میں پیدا ہونے والا سیاسی شعور ہی تھا، جو 1831ء میں معرکۂ بالاکوٹ میں اس فکر کی مرکزی قیادت کی شہادت کے بعد بھی بڑھتا چلا گیا۔ پھر اگلے درجے میں مکہ مکرمہ سے واپس آ کر حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ عملی جدوجہد میں حصہ لیتے ہیں، بلکہ 26 سال بعد جنگِ آزادی میں اس خطے کے تمام مذاہب کے لوگوں نے مل کر انگریز کے خلاف جنگ لڑی، جس میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ایسے بزرگانِ دین بھی عملی طور پر شریک تھے۔

اس خطے کو انگریز کے سیاسی تسلط سے نجات دلانے کے لیے فتویٰ دارالحرب ہو، جہادِ بالاکوٹ ہو، یا پھر شاملی کے میدان سے لے کر دارالعلوم دیوبند کے قیام کی بات ہو، کتنی ہی تحریکِ آزادی کی بڑی بڑی شخصیات ہیں، جنھوں نے پوری ہمت، جرأت، دلیری، جواں مردی، بصیرت اور للّٰہیت کے جذبے کے تحت اس خطے کی عوام کو جگانے کی کوشش کی۔ اس تحریکِ آزادی کے اگلے دور میں رائے پور ضلع سہارن پور میں حضرت عالی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ خانقاہِ عالیہ کے توسط سے نظریاتی وفکری کام پر جدوجہد کرتے ہیں۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی شخصیت شریعت، طریقت اور سیاست سے مزین تھی۔

جنگِ آزادی 1857ء کے بعد انگریز نے باقاعدہ طور پر پورے ہندوستان پر اپنی سیاسی حکومت کا اعلان کر دیا اور یہاں کے سیاسی معاملات ایسٹ انڈیا کمپنی سے لے کر تاجِ برطانیہ کے ماتحت کر دیے۔ جس کے بعد عام ہندوستانی عمومی درجے میں انگریز کے خلاف بولنے سے خوف زدہ ہو گیا تھا، حتیٰ کہ مائیں اپنے بچوں کو انگریز کے نام سے ڈرانے لگیں۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی شخصیت کی تاریخی خدمات تاریخ کے جھروکوں میں دُھندلا گئیں۔ یہاں کی نصابی کتب میں جہاں دیگر تحریکِ آزادی کی شخصیات کی خدمات کو فراموش کیا گیا، بالکل ویسے ہی شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی شخصیت سے انصاف نہیں کیا گیا۔

خانقاہِ رائے پور کے موجودہ مسند نشین اور رحیمیہ انسٹیٹیوٹ آف قرآنک سائنسز لاہور کے ڈائریکٹر جنرل مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری نے ''سوانح حیات شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ'' لکھی ہے۔ تحقیق پر مبنی اس کتاب کی تقریب قائدِاعظم لائبریری لاہور کے تاریخی ہال میں منعقد ہوئی۔ یہ وہی ہال ہے، جہاں پر وائسرائے ہند اور گورنر پنجاب نے جنگِ آزادی کے بعد فتح کے جشن کی محفل منعقد کی تھی۔ آج 160 سال بعد اسی ہال میں انگریزوں کے خلاف مزاحمتی کردار نبھانے والی شخصیت کو خراجِ تحسین پیش کیا

www.rahimia.org

گیا۔ اسی تقریب میں مجھے زبردست احساس ہوا کہ پاکستانی نظامِ تعلیم تحریکِ آزادی کے سچے رہنماؤں، جنھوں نے انگریزوں کے خلاف ہر محاذ پر مقابلہ کیا، ان کا تعارف تک پیش نہیں کرتا۔ اگر ایسا کیا جاتا تو شاید تقسیمِ ہند کے بعد ہمیں آزادی کے پورے ثمرات میسر آجاتے۔

مصنف حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری نے تو دوٹوک الفاظ میں کہا کہ: ''پاکستان کو فرقہ وارانہ نہیں، بلکہ وحدتِ فکر کی ضرورت ہے، جس کی بنیاد انسان کی ترقی ہو۔'' شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی وفات کو ایک صدی گزر گئی۔ دینِ اسلام کی سیاسی تحریک پر محققین نے جانب داری سے کام لیا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی خدمات پر کوئی جامع کتاب ہی نہ لکھی گئی۔ یہ شاہ عبد الرحیمؒ ہی تھے، جنھوں نے آزادی کی تحریک کے اس کٹھن مرحلے میں انگریز سرکار کے خلاف ہندوستان کے مسلمانوں کو انسانیت اور خوددار قومیت کی بنیاد پر جدوجہد پر آمادہ کیا۔

لارڈ میکالے کے فلسفے کی بنیاد پر قائم تعلیمی ڈھانچہ تو ہمیں تصوف اور صوفی کے اصل کردار سے بھی روشناس نہیں کراتا۔ اور شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ ایسے صوفی بزرگ کی شخصیت کا تعارف کرانے کے بجائے صوفیت کے تنہائی پر مبنی فلسفے کو پیش کیا جاتا ہے، تاکہ نظامِ ظلم کے خلاف حق شناس شخصیات کے نظریات کو نہ پنپنے دیا جائے۔ فکرِ ولی اللّٰہی کے جانشینوں کا تو یہ شیوہ رہا کہ وہ حق پر لڑے اور ظلم کے خلاف عملی جدوجہد کی۔ اس خطے میں انگریز کے خلاف تعلیمی مزاحمت کے لیے دیوبند میں مدرسے کا قیام ہو، تحریکِ ریشمی رومال ہو، یا پھر اس مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے شاگرد محمود حسنؒ المعروف ''شیخ الہند'' ہوں، یا پھر شیخ الہندؒ کے شاگرد عبیداللہ سندھیؒ ہوں، یہ تحریکِ آزادی کی قدآور شخصیات نے ہمیشہ انگریز تسلط کے خلاف عملی کام کیا۔

شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کی جدوجہد تو سیاست، معیشت اور مذہب کی بنیاد پر جامع دینی جدوجہد تھی۔ انگریزوں نے مسلمانوں کی عبادات پر پابندی عائد نہیں کی، لیکن انھیں سیاسی، معاشی اور سماجی طور پر غلام بنایا تو شاہ عبدالرحیمؒ نے رائے پور سے فکرِ ولی اللّٰہی کے کام کو اگلے مرحلے میں داخل کیا، اور ہندوستانیوں میں سیاسی و دینی فرائض کا شعور بیدار کیا۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے تو فرمایا تھا کہ: ''تصوف کا ابتدائی درجہ تصحیح نیت ہے اور اعلیٰ درجہ دینی فقاہت ہے۔'' انھوں نے یورپ کے مونٹیسوری کے تعلیمی تصور سے بہت پہلے مکاتیبِ قرآنیہ کے قیام کا سلسلہ پورے برصغیر میں شروع کرایا۔ اور تصور پیش کیا کہ مسلمان بچوں کی تعلیم کا آغاز قرآن کی تعلیم سے ہونا چاہیے۔ دراصل شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ نے انگریز کے خلاف مزاحمتی سوچ کو ترویج دیا۔ اس خطے میں انگریز نے دو مسئلے پیدا کیے: ایک طرف تو اس نے ہمیں غلام بنایا اور دوسرا ہمارے مذہب اور ہماری تاریخ کو بگاڑنے کی کوشش کی، لیکن خانقاہِ رائے پور سے چلنے والی تحریک نے انگریز کو اپنے اس مشن میں پوری کامیابی نہیں ہونے دی۔

مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری کے بہ قول: ''یہ جھوٹ کا نہیں، دجل کا دور ہے۔ گویا شریعت کے نام پر عدمِ برداشت اور فتویٰ بازی، تصوف کے نام پر بے عملی، سیاست کے نام پر مفاد پرستی و گروہیت پروان چڑھی۔ پاکستان کے نوجوان کو اس وقت تحریکِ آزادی کے رہنماؤں سے تعارف حاصل کرنے اور ملک میں رائج غلامی کے نظام کو سمجھنے کے لیے ان شخصیات کا مطالعہ کرنا ہوگا، تاکہ وہ دُشمن کی پہچان کرسکیں۔''

☆

منظوم تأثّرات

''مِری آنکھوں میں ہے ہر وقت نقشہ قطبِ عالم کا''

(قطبِ عالم حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ کے وصال پر حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب قاسمیؒ (سابق مہتمم دارالعلوم دیو بند) کا پُرسوز اظہارِ عقیدت۔ مدیر)

[1]

گدازِ شمع رکھتا ہے ہر اِک شعلہ مِرے غم کا
رہِ ہستی میں رہزن ہے مِرا دم ہی، مِرے دم کا

[2]

وہ دل جس میں تمنائے لِقا تھی، ہائے! اب گھر ہے
اَلم کا، رَنج کا، اَندوہ کا، حِرمان کا، غم کا

[3]

فراقِ یار میں مضمر ہے وَصلِ یار کی دولت
مِری آنکھوں میں ہے ہر وقت نقشہ قطبِ عالم کا

[4]

سرودِ آہ لب پر، دیدہ تر عازمِ طوفاں
عجب کیفیت افزا آج ہے خُم خانہ ماتم کا

[5]

فراقِ قطب عالم میں بہائے اَشک کے موتی
ٹھکانے لگ گیا گنجینہ میری چشم پُر نم کا

[6]

نہ پوچھ اے ہم نفس! افسانۂ غم، سخت مشکل ہے
اٹھائے سر پہ جو کوہِ اَلم کو، وہ مِرا دل ہے

www.rahimia.org

[1]

وہ کشتی ہوں کہ خود ہی اس کے حق میں موجِ طوفاں ہوں
ہو جس کا دانہ برق آسا ، میں وہ خِرمن ہوں

[2]

وہ انسان ہوں کہ رشکِ شمع ہے موج ، نفس میرا
نفس سے میں ، رہ ہستی کے حق میں خود ہی رہزن ہوں

[3]

ہراساں ہے مگر اب مجھ سے صیادِ اَمل خود بھی
شکار خوف ہے جس میں ، مَیں وہ صحرائے اَیمن ہوں

[4]

ہوا آلودہ میرے دَرد سے دامانِ درماں بھی
کہ ہے گرد کدورتِ نفس جس کا ، میں وہ دامن ہوں

[5]

کھچا ہے دورِ محشر بھی مِرے اِک تارِ حسرت سے
ہے جس کا ایک گوشہ وادیٔ محشر، وہ دامن ہوں

[6]

نہ تنہا سینہ اَم در سوختم تا محو فریادم
شکنج ؟ خوں شدہ در دل بہ دیدہ سوختہ خوابم

☆

www.rahimia.org

سیاست کا حقیقی مفہوم اور اس کی جامع تعریف

''سب سے پہلے سیاست کے حوالے سے شاہ صاحبؒ کے نظریات کا جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ آپؒ نے بڑی جامعیت کے ساتھ سیاست کا مفہوم اور اس کی جامع تعریف بیان کی ہے اور اس کی ضرورت و اہمیت واضح کی ہے۔ چناں چہ ''حُجّةُ اللّٰہ البالغه'' میں ''باب سیاسة المدينه'' کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

''ہر ملک اور شہر میں بسنے والے تمام افراد کے درمیان اجتماعی روابط اور سماجی تعلقات ہوتے ہیں، اُن کی اجتماعی حالت پر غور و فکر کرنے کا نام ''سیاست'' ہے۔ کسی ملک اور شہر سے میری مراد ایک ایسی اجتماعیت ہے، جو اگرچہ بہت سے گھرانوں اور محلوں پر مشتمل ہو، لیکن اُن کے درمیان باہمی سماجی معاملات جاری ہوں۔ اصل بات یہ ہے کہ کسی خطے میں بسنے والے لوگوں کے درمیان باہمی رابطوں کی وَجہ سے ہر ملک اور شہر اپنا علاحدہ ایک تشخص اور ایک ہیئتِ اجتماعیہ رکھتا ہے۔...

ہر ملک ایک بڑی اجتماعیت اور ہیئتِ ترکیبیہ کا حامل ہوتا ہے، وہاں ایسا ممکن نہیں ہوتا کہ تمام لوگ از خود عدل و انصاف کا نظام قائم کرنے اور اس کی حفاظت پر متفق ہوں، اور نہ ہی یہ ممکن ہوتا ہے کہ بغیر کسی حکومتی طاقت کے تمام افراد کو کسی نظم و ضبط میں لایا جاسکے۔ اس طرح تو تمام طبقوں کے درمیان بڑے جھگڑے شروع ہو جائیں گے۔ اس لیے ملک کی اجتماعیت کو منظّم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک ایسے آدمی کی سربراہی میں حکومت قائم کی جائے، جسے جمہور سمجھ دار اور عقل مند لوگوں کی حمایت حاصل ہو۔ اس حکومت کے پاس افرادی قوت اور بھرپور طاقت ہونی چاہیے۔ ہر وہ ملک، جس میں بخیل سرمایہ پرست، بات بات پر جھگڑے اور قتل کرنے والے لوگ موجود ہوں، اُس ملک کو سیاست کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔''

(ولی اللّٰہی سیاسی تحریک؛ آغاز وارتقا، ص 28)

www.rahimia.org

QUARTERLY
Shauor o Aaghi

January - March, 2018 Vol.10 Issue.1 Regd.370-S

www.rahimia.org

رحیمیہ مطبوعات

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئنز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
00-92-42-36307714, 36369089 www.rahimia.org
info@rahimia.org /rahimiainstitute